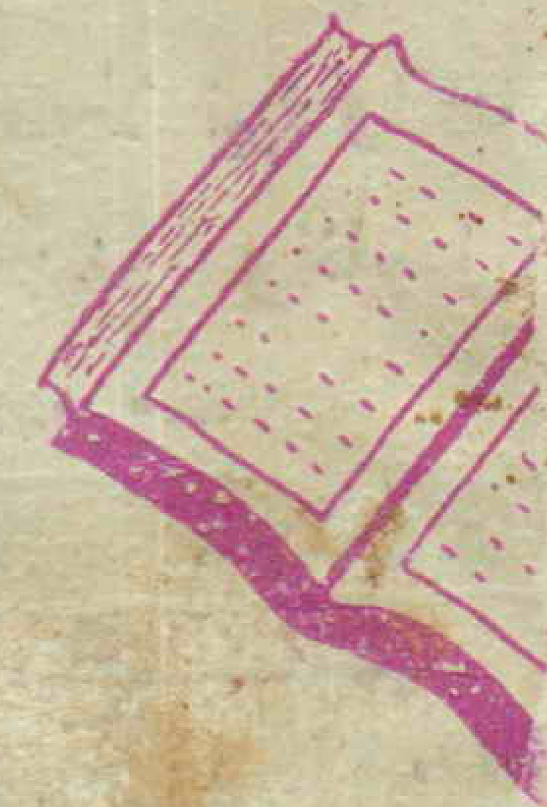
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



جمالِ و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے



الفرقان

بابت ماہ جنوری و فروری ۱۹۵۲ — ربیع الثانی و جمادی الاول ۱۳۷۱



سالانہ چندہ — پانچ روپے
فی پرچہ — ۱۲ آنے

اشاعت
ربوہ - ضلع جھنگ

ایڈیٹر — ابو العطاء الجالندھری

انتصار الاسلام على النصرانية

نحن معشر المسلمين نؤمن بأن سيدنا المسيح عليه السلام كان رسولا نبيا ولكننا لا نؤمن بالاهوته ولا بموته الصليبي، وهذا هو أساس الاختلاف بين القرآن المجيد واناجيل النصارى يقول المبشر المسيحي الشهير الدكتور زويمر في كتابه (السر العجيب) مانصه :-

"كيف يتبرر الانسان عند الله؟ والجواب، بواسطة موت المسيح الكفارى فقط، ليس من طريق آخر ولا من انجيل آخر، فاذا كان ايماننا هذا خطأ كانت مسيحيتنا بجملتها باطلة"،

فاذا ثبت ان المسيح عليه السلام لم يمت على الصليب بل عاش مثل اخوانه من الانبياء الكرام على وجه المعمورة كانت العقائد المسيحية باطلة باسرها ولا شك ان المسيح بن مريم كان رسولا" الى بنى اسرائيل وكانت بنو اسرائيل عند مبعثه مشردين فى انحاء العالم وجلهم كانوا فى البلاد الشرقية من فلسطين الى ارض الهند (كتاب آستير من الكتاب المقدس) ولاجل ذلك قد قال المسيح :-

"لم ارسل الا الى خراف بيت اسرائيل الضالة"، (متى ١٥ : ٢٣)

فاذن كانت وظيفة المسيح ان يسافر من فلسطين الى هذه القبائل الاسرائيلية وقد سافر فعلا" بعد ان نجاه الله من الصليب

وان دائرة المعارف البرطانية، وهى وثيقة رسمية عند اهل الغرب، قد نشرت مقالة حول يسوع المسيح وطبعت صورا" عديدة صنعت قديما" وكانت هذه الصور سرا" مكتوما" مقدسا" عند النصارى الاولين عدة قرون و نحن قد نقلنا بعض هذه الصور من دائرة المعارف البرطانية ونشرنا فى الجزء الانجليزى من هذه النشرة ويدرك كل بصير باول نظرة يلقيها على هذه الصور ان المسيح عليه السلام كان شابا" ثم اكتهل ثم شاخ وكبرت سنه حتى صار ابن مائة وعشرين عاما" وهذا ما قال به الاسلام و كان المسيحيون فى القرون الخالية ينكرونه اشد الانكار وها نحن نرى الحقائق تنطق والصور والدلائل تشهد فاين المفر؟

وقد ذكر صاحب المقالة تاريخ هذه الصور المقدسة وهو لا يعدو عن القرن الثانى والثالث بعد ظهور المسيح، فاذن ثبت ان المسيحيين الاولين كانوا لا يعتقدون بموته على الصليب ورفعه جسديا الى السماء بل كانوا يؤمنون بان المسيح عاش سائحا على الارض كما عاشت قبله الانبياء والمرسلون وخلا كما خلت من قبله الرسل و هذا والذى نفسى بيده لانتصار عظيم للاسلام على النصرانية لو كانوا يعلمون والحمد لله الذى انجز وعده ونصر عباده المومنين -

جلد ۲ نمبر ۱، ۲
جنوری، فروری سنہ ۱۹۵۲ء

فہرست مضامین ماہنامہ الفرقان

(مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری طابع و ناشر نے خالد پرنٹنگ پریس ربوہ سے چھپوا کر دفتر الفرقان ربوہ سے شائع کیا)

عرضِ حال!

پیارے بھائیو! الفرقان کا اجراء ایک بلند اور پاک مقصد کے پیشِ نظر ہوا ہے۔ اِس پاک مقصد کو بروئے کار لانے میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سچے مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے ؎

صد بار رقص ہا کنم از خرمی اگر !
بینم کہ حسنِ دلکشِ فرقاں نہاں نماند

اِس مقصد کی بلندی بھی سب پر عیاں ہے۔ یہ کام اتنا وسیع اور غیر معمولی ہے کہ ہم سب ختم ہو جائیں گے دُنیا کی صف لپیٹ دی جائے گی مگر قرآنی حُسن کی جلوہ ریزیاں کبھی ختم نہ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ (الکہف رکوع آخر)

رسالہ الفرقان جہاں قرآنی صداقتوں کو بیان کرتا ہے، مخالفینِ اسلام کے قرآن مجید پر کئے گئے اعتراضات کا جواب دیتا ہے، وہاں وہ پاکستان بھر میں قرآن مجید کی زبان یعنی عربی زبان سکھانے والا واحد ماہنامہ ہے۔ اور یہ بالکل صحیح ہے کہ عربی زبان کو سمجھے بغیر قرآنی شہد کی پوری لذت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اُس وقت تک تو انسان پر مصرعہ "زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمے دانم" ہی صادق آتا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ بہت سے احباب اس سے استفادہ کر رہے ہیں۔

اِن حالات میں الفرقان کی اشاعت میں حصہ لینا ایک رنگ میں قرآن مجید کے پھیلانے میں حصہ لینا ہے۔ الفرقان کی اشاعت میں آپ مندرجہ ذیل چار طریقوں پر حصہ لے سکتے ہیں (۱) تحقیقی مضمون ارسال فرمائیں (۲) خریدار بن کر رسالہ کا سالانہ چندہ پیشگی ارسال فرمائیں (۳) اپنے احباب کو خریداری کی تحریک فرمائیں (۴) اگر اللہ تعالیٰ نے آپکو توفیق بخشی ہے تو اپنی طرف سے چندہ بھیج کر تشنگانِ حق اور لائبریریوں کے نام رسالہ جاری کروائیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

ابو العطاء

قرآن مجید میں اٹیم بم کے متعلق پیشگوئی!

صداقتِ قرآن کریم پر ایک اور روشن دلیل!!

(۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اعلان فرمایا ہے۔ وَ اِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُھْلِکُوْھَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اَوْ مُعَذِّبُوْھَا عَذَابًا شَدِیْدًا کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ (سورہ بنی اسرائیل ع) کہ "قیامت سے پہلے ہم ہر بستی اور آبادی پر ہلاکت خیز تباہی لائیں گے یا اسے شدید ترین عذاب میں مبتلا کریں گے۔ ہمارا یہ فیصلہ قانون کے مطابق مقرر ہے۔" اس الٰہی نوشتہ سے ظاہر ہے کہ نزولِ قرآن کے بعد اور قیامت کے آنے سے قبل عذابوں اور ہلاکتوں کا ایک خطرناک دور آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعید بتلاتا ہے کہ نسلِ آدم اس آخری دور میں بہت سے گھناؤنے افعال کرنے والی ہے اور اپنی بداعمالیوں کے باعث اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مستوجب بننے والی ہے۔ قرآنی اور حدیثی پیشگوئیوں کے مطابق دجال اور یاجوج و ماجوج کا خطرناک ترین فتنہ بھی اسی دور میں ابھرنے والا ہے۔ اِس فتنہ کے اعتقادی حصہ کے ازالہ کے لیے آسمانی نوشتوں کے مطابق **مسیح موعود** کا ظہور مقدر ہے اور مادی حصہ کی تباہی و بربادی کے لیے عذاب الٰہی کا سلسلہ مقرر ہے۔ واضح رہے کہ جس طرح یہ فتنہ عدیم المثال فتنہ ہے اسی طرح اس کے استیصال کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی عذاب مقرر کر رکھا ہے۔ اور یہ بھی ضروری تھا کہ عذابوں کے اس عالمگیر سلسلہ سے قبل بطور آخری طور پر اتمام حجت کے خدا کا عظیم الشان فرستادہ ظاہر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے۔ وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل ع) کہ ہم عذاب سے پہلے رسول ضرور بھیجا کرتے ہیں۔

(۲)

آیت بالا میں قیامت سے قبل جس ہولناک ہلاکت اور تباہ کن عذاب کی پیشگوئی کی گئی ہے اس کی ضروری تفصیل قرآن مجید نے خود بیان فرما دی ہے۔ قرآن مجید کی ہر پیشگوئی اپنے ظہور سے قرآن مجید کی صداقت پر ایک روشن دلیل ہے۔ عذابوں کی یہ پیشگوئی اپنی تفصیل کے ساتھ قرآن مجید کو قطعی طور پر خدائے عالم الغیب کا کلام ثابت کر رہی ہے۔ آخری دور کے عذاب کی تشریح کے طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلْقَارِعَۃُ ۝ مَا الْقَارِعَۃُ ۝ وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا الْقَارِعَۃُ ۝ یَوْمَ یَکُوْنُ

النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝

(سورۃ القارعہ)

"کہ دنیا پر ایک شدید مصیبت آنے والی ہے۔ وہ مصیبت کس قدر عظیم ہے اور اے مخاطب! تجھے کیا معلوم کہ یہ عظیم الشان مصیبت کیا ہے۔ یہ مصیبت جب آئے گی اس وقت لوگ پراگندہ پروانوں کی طرح حیران پھر رہے ہوں گے اور پہاڑ اس پشم کی مانند ہو جائینگے جو دھنکی ہوئی ہوتی ہے۔"

اِن آیات میں آخری زمانہ کی اس ہولناک تباہی کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو انسانوں پر ان کی بداعمالیوں کے باعث آنے والی ہے۔

اَلْقَارِعَةُ کے معنوں کیلئے یاد رکھنا چاہیئے۔ اَلْقَرْعُ: ضَرْبُ شَیْءٍ عَلٰی شَیْءٍ (مفردات راغب) کہ قرع کے معنے کسی چیز کو دوسری پر مارنے کے ہوتے ہیں۔ قَرَعَ السَّهْمُ القِرْطَاسَ کے معنے اَصَابَهٗ یعنی تیر کے نشانہ پر لگنے کے ہیں اور قَرَعَ زَیْدٌ اَلْاَمْرَ کے معنے اَتَاهُ فُجْاَةً یعنی اچانک آنے کے ہیں (اقرب الموارد)۔ نیز لکھا ہے:۔

"القارعة: الداهية - يقال قرعتهم قوارع الدهر اى اصابتهم نوازله الشديدة"

کہ القارعۃ سے عربی محاورہ "قرعتهم قوارع الدهر" کے مطابق سخت ترین آفت مراد ہوتی ہے۔ (اقرب الموارد)

علامہ ابوحیان القارعۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"قال الضحاك هى النار ذات التغيّظ والزفير"

کہ ضحاک کے قول کے مطابق القارعۃ سے مراد شور اور واویلا مچانے والی آگ ہے۔ (البحر المحیط جلد ۸ ص ۵۰۵)

(۳)

قرآن مجید میں مکذبینِ انبیاء پر آنیوالے ہلاکت خیز عذاب کو دوسرے دو مقامات پر بھی قارعہ قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (۱) كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ۔ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ۔ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ۔ (الحاقہ ع) کہ عاد اور ثمود قوموں نے ہولناک عذاب کی خبر کو جھٹلایا اور طوفانِ بادِ صرصر سے تباہ ہوئیں (۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مکذبین کے بارہ میں فرمایا۔ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (الرعد ع) کہ کافروں پر انکی بدکرداریوں کے باعث شدید عذاب آتے رہیں گے اور ان پر ضرب پر ضرب لگتی رہیگی۔ یہ سلسلہ فتح مکہ کے وقت تیرے گھر میں نزول تک جاری رہیگا۔ خدا کا وعدہ پورا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔" اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر آنیوالے عذابوں کو قارعۃ قرار دیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انبیاء کے مکذبین پر آنیوالا شدید عذاب اصطلاحاً بھی القارعۃ کہلاتا ہے۔

سورۃ القارعۃ میں اللہ تعالیٰ نے آخری زمانہ کی القارعۃ یا آخری زمانہ کے ہولناک ترین عذاب سے ڈرایا ہے۔ آیت وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْقَارِعَةُ سے ظاہر ہے کہ آخری زمانہ کا یہ شدید عذاب پہلے تمام عذابوں سے زیادہ ہولناک ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ اس کے معنوں میں لکھتے ہیں:-

"انہا قارعۃ فاقت القوارع فی الہول والشدۃ ... لا علم بکنہہا لانہا فی الشدۃ بحیث لا یبلغہا وہم احد ولا فہمہ۔"

کہ "آخری زمانہ کی یہ آنیوالی قارعہ تمام سابقہ عذابوں سے اپنے خطرات اور ہلاکت میں بڑھ جانیوالی ہے اور انسانی ادراک ابھی اسکی سختی کو اپنے وہم میں بھی نہیں لا سکتا۔" (تفسیر مفاتیح الغیب جلد ۸ صفحہ ۶۶۴)

(۴)

قرآن مجید نے اس ہولناک ترین عذاب کی نوعیت کو یَوْمَ یَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ ان الفاظ کے مفہوم کو دوسری آیات کی روشنی میں دیکھا جائے تو متعین ہو جاتا ہے کہ القارعۃ کا یہ عذاب یاجوج و ماجوج پر آنیوالا ہے۔ امام البیضاوی کالفراش المبثوث کی تفسیر میں لکھتے ہیں "فی کثرتہم وذلتہم وانتشارہم واضطرابہم" کہ اس القارعہ کے عذاب میں مبتلا ہونیوالوں کو پراگندہ پروانوں سے بلحاظ کثرت، ذلت، پھیلاؤ اور اضطراب کے مشابہت دی گئی ہے۔ (انوار التنزیل جلد ۲ صفحہ ۴۲۹)

تفسیر جلالین میں اسی آیت کی تفسیر بایں الفاظ کیگئی ہے:-

"کغوغاء الجراد المنتشر یموج بعضہم فی بعض للحیرۃ" کہ وہ پھیلے ہوئے ٹڈی دل کی طرح حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے پر لہر کی طرح پڑینگے۔ امام رازی لکھتے ہیں "انہا تقرع اعداء اللہ بالعذاب والخزی والنکال وھو قول مقاتل" کہ مقاتل کے قول کے مطابق یہ القارعہ دشمنانِ حق پر ذلت اور دکھ اور تکلیف کے ہولناک عذاب کی صورت میں ظاہر ہو گی۔ پھر لکھتے ہیں:- "وبالجملۃ فاللہ سبحانہ وتعالیٰ شبہ الناس فی وقت البعث بالجراد المنتشر وبالفراش المبثوث لانہم لما بعثوا یموج بعضہم فی بعض۔" (تفسیر کبیر رازی جلد ۸ صفحہ ۶۶۴) کہ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعثت کے وقت انسانوں کو ٹڈی دل اور پراگندہ پروانوں سے اسلئے تشبیہ دی ہے کہ اسوقت یموج بعضہم فی بعض کے مصداق ہوں گے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یاجوج و ماجوج کے بارے میں فرمایا ہے وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ (الکہف ع ۱۱)، امام راغب نے یاجوج و ماجوج کا اشتقاق اجیج النار (شعلہ آگ) سے قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:-

"شبہوا بالنار المضطرمۃ والمیاہ المتموجۃ لکثرۃ اضطرابہم۔" (مفردات)

کہ یاجوج و ماجوج کو شعلہ زن آگ اور موجزن پانیوں سے اسلئے تشبیہ دی گئی ہے کہ انکی بڑی کثرت ہو گی اور ان پر اضطراب طاری ہوگا۔ گویا وہ کالفراش المبثوث کا مصداق ہوں گے۔ پس آیت کے الفاظ پر یکجائی نظر کرنے سے کھل جاتا ہے کہ القارعۃ کا ہولناک عذاب آخری زمانہ میں یاجوج و ماجوج

پر آئے گا اور وہ اسی ذریعہ سے آخر کار نیست و نابود ہونگے۔

(۵)

آیات کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ سورۃ القارعۃ میں جس بھیانک عذاب اور اسکے ذرائع کا ذکر ہے اس سے ایٹم بم مراد ہے جو کہ یاجوج و ماجوج کی خاص ایجاد ہے اور جسکے ذریعہ سے ان قوموں کی ہلاکت مقدر ہے۔ حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اس سورہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں پہلے خیال کیا کرتا تھا کہ ان آیات میں توپخانوں اور موجودہ زمانہ کی ان ہلاکت آفرین ایجادوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن سے عام طور پر لڑائیوں میں کام لیا جاتا ہے۔ مگر اب میں سمجھتا ہوں کہ القارعۃ سے ایٹم بم مراد ہے اور اس عذاب کی ساری کیفیت ایسی ہے جو ایٹم بم سے پیدا شدہ تباہی پر پوری طرح چسپاں ہوتی ہے۔ یہ بم ایسا خطرناک اور تباہ کن ہے کہ اس سے بچنے کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ لوگ منتشر اور پراگندہ ہو جائیں۔ یہ بم جس جگہ گرتا ہے سات سات میل تک کا تمام علاقہ خس و خاشاک کی مانند جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ بلکہ ایٹم بم کے متعلق اب جو مزید تحقیق ہوئی ہے وہ بتاتی ہے کہ سات میل کا بھی سوال نہیں چالیس چالیس میل تک یہ ہر چیز کو اڑا کر رکھ دیتا ہے۔ ہیروشیما پر اٹومک بم گرایا گیا تو بعد میں جاپانی ریڈیو نے بیان کیا کہ اس بم سے ایسی خطرناک تباہی واقع ہوئی ہے کہ انسانوں کے گوشت کے لوتھڑے میلوں میل تک پھیلے ہوئے پائے گئے ہیں۔ یہ بالکل وہی حالت ہے جس کا قرآن کریم نے ان آیات میں ذکر فرمایا ہے کہ انسانوں کا وجود تک باقی نہیں رہے گا ہڈی کیا اور بوٹی کیا سب باریک ذرات کی طرح ہو جائیں گے اور پتنگوں کی مانند ہوا میں اڑتے پھریں گے۔ یہی حال اس عذاب کے نتیجہ میں پہاڑوں کا ہوگا۔ ابھی تک پہاڑوں کے متعلق ایٹم بم کا تجربہ نہیں کیا گیا لیکن کہا جاتا ہے کہ اس میں اس قسم کی ترقی ہوگی کہ پہاڑ بھی اسکی زد سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ جہانتک پھیلاؤ کا سوال ہے یہ بم کسی چیز کو نہیں چھوڑتا۔ لیکن جہاں تک گہرائی کا سوال ہے ابھی ماہرین کی تحقیق مکمل نہیں ہوئی۔ لیکن امید کی جاتی ہے کہ اس بم کو ترقی دے کر ایسا خطرناک بنا دیا جائے گا کہ پہاڑوں اور قلعوں کو بھی ایک آن میں اڑا دے گا۔" (تفسیر کبیر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز جلد ۶ صفحہ ۴۳۲)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دنیا کی ساری ایجادات اور جملہ حالات و کوائف مجموعی طور پر قرآن مجید کی صداقت پر زندہ دلیل ہیں بمبارک وہ جو خدا کے کلام پر کان دھریں۔ سچ ہے سہ

کُلُّ العلم فی القرآن ولکن
تقاصر عنہ افہام الرجال

الفرقان کا موجودہ سال کا پروگرام

ہمارے رسالہ کا مقصدِ وحید قرآن مجید کی خدمت ہے۔ اور یہ ہمارا مستقل نصب العین ہے۔ اس اہم نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے سال بہ سال پروگرام ہونا چاہیئے تاکہ اسے مدنظر رکھ کر ہم اور ہمارے قلمی معاونین اپنی جدّوجہد کو مناسب رنگ میں تیز تر کر سکیں اور ہمارے قارئین کرام اپنے قیمتی مشوروں سے ہماری رہنمائی کر سکیں۔ کیونکہ علمی اور عملی تعاون کے بغیر ہم اپنے نصب العین کو نہیں پا سکتے۔

رسالہ الفرقان کا مستقل پروگرام مندرجہ ذیل بیسؔ عنوانات پر حاوی ہے:۔

(۱) ایمانیات قرآنیہ کا بیان (۲) صداقت و افضلیت قرآن مجید کے دلائل (۳) قرآنی معاشرہ اور اس کے اصول (۴) قرآن مجید کی زبان اور اس کا مقام (۵) قرآن مجید کا پیش کردہ اقتصادی نظام۔ (۶) قرآن مجید کا نظام حکومت (۷) قرآن مجید اور بائیبل کا موازنہ (۸) احکام القرآن کی فلاسفی (۹) قرآنی پیشگوئیوں کا ظہور (۱۰) قرآن مجید کی امتیازی شان اور خصوصیات۔ (۱۱) قرآن مجید کی مشکل آیات کا حل (۱۲) سابقہ کتب تفسیر پر نظر (۱۳) قرآنی علوم وحقائق۔ (۱۴) قرآن مجید پر مستشرقین کے اعتراضات کے جواب (۱۵) آرین اعتراضوں کی تردید (۱۶) نسخ قرآن کے نظریہ پر قائم شدہ تحریک بہائیت کے وساوس کا ازالہ (۱۷) مقام انبیاء علیہم السلام از روئے قرآن مجید (۱۸) عربی زبان کے اسباق (۱۹) تفسیر القرآن المجید۔ (۲۰) نئے سوالات کے جواب، اور شذرات۔

ان اصولی عنوانات کے ماتحت موجودہ سال (۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء) میں انشاءاللہ العزیز مندرجہ ذیل مقالات شائع ہوں گے:۔

(۱) اسلامی عقائد از روئے قرآن مجید۔
(۲) قرآنی اقتصادی نظام اور اشتراکیت۔
(۳) مسلم حکمران کے فرائض اور غیر مسلم رعایا کے حقوق۔
(۴) جنگ کے متعلق قرآن مجید کے آئین وضوابط۔
(۵) حریتِ فکر اور قرآن مجید۔
(۶) علوم جدیدہ اور قرآن مجید۔
(۷) عربی زبان کا اُمّ الالسنہ ہونا۔
(۸) قرآن مجید میں عجمی الفاظ کی آمیزش کے غلط خیال کی تردید
(۹) یاجوج وماجوج۔

(۱۰) قرآن مجید کے مفسرین۔

(۱۱) تفسیر کے اصول۔

(۱۲) عصمت انبیاء، قرآن مجید اور بائیبل کا موازنہ۔

(۱۳) قرآن مجید کی مستقل ترتیب، اور ترتیب نزول میں فرق کی حکمت۔

(۱۴) قرآن مجید کن پہلوؤں سے بے مثال ہے۔

(۱۵) قرآن مجید میں منسوخ آیات کے عقیدہ کا نقصان۔

(۱۶) محکمات و متشابہات۔

(۱۷) ستیارتھ پرکاش کے اعتراضات کے جواب۔

(۱۸) اسلامی پردہ اور اس کی حکمت۔

(۱۹) سُود کی حُرمت اور قرآن مجید۔

(۲۰) بہائی تحریک اور قرآن مجید۔

(۲۱) مستشرقین کے آٹھ اعتراضات کے جواب۔

(۲۲) قرآن مجید اور شعر۔

(۲۳) قرآن مجید اور سائینس۔

(۲۴) ابتدائی تخلیق کے متعلق قرآنی نظریہ۔

(۲۵) قرآن مجید اور اخلاقیات۔

(۲۶) سبع سمٰوٰت کی حقیقت۔

(۲۷) آخری زمانہ کے متعلق قرآنی پیشگوئیاں۔

(۲۸) قرآن مجید کے رُو سے قیامت کی حقیقت۔

(۲۹) قرآن مجید میں عورت کا مقام۔

(۳۰) قرآن مجید میں تعبیر رؤیا کے اصول۔

(۳۱) قرآن مجید کن معنوں میں زندہ کتاب ہے؟

(۳۲) کیا عذاب جہنم دائمی اور غیر منقطع ہے؟

(۳۳) مسیح موعود کی پیشگوئی از روئے قرآن کریم۔

(۳۴) حضرت مسیح ابن مریم کا ذکر قرآن مجید میں۔

ناظرین کرام!

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اِس سال الفرقان کا ادارہ اور اُس کے فاضل نامہ نگار یہ ~~پینتیس~~ ۳۴ تحقیقی مقالہ جات لکھیں گے۔ علاوہ ازیں الفرقان ہر نمبر میں عربی اسباق، نئے سوالات کے جواب، متفرق مضامین، مؤثر نظمیں اور مفید شذرات بھی شائع کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اپنے فضل سے اِس پروگرام کو پُورا کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ نیز ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ الفرقان کی توسیع اشاعت میں دلی جوش سے حصہ لیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق بخشے۔ آمین یا رب العالمین!

——— (مُدیر)

قرآن مجید کی معجزانہ بلاغت و ترتیب کی چند ایک مثالیں!

(٢)

(از قلم جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوۃ وتبلیغ)

اسی طرح لفظ قَالَ موقع محل کے تقاضا سے اس آیت میں بھی حذف کیا گیا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ــــ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ (الاعراف ع ١٩ - آیت ١٧١)

اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی ذریت کو پُشت در پُشت منزا سے پکڑا اور ان کو ان کے اپنے نفسوں کے خلاف گواہ ٹھہرایا (کہا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں انہوں نے کہا کیوں نہیں ہم نے دیکھ لیا (اور اقراری ہیں)۔ یہ اس لئے کہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہدو کہ ہم اس سے غافل تھے۔

اس آیت میں بھی غیر معمولی قہاری تجلی کا ذکر ہے جیسا کہ اس سے ماقبل آیت وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ــــ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ میں خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ سے پہلے "قَالَ" محذوف ہے۔ گویا جس قہاری تجلی کے ماتحت اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا جواب بَلٰى سے دیا گیا ہے وہ ایسی ہیبت ناک تھی کہ وہ بذاتِ خود قول کا قائم مقام بن گئی اور "قَالَ" کے کہنے کی ضرورت نہ رہی بلکہ واقعات لسانِ حال سے بولے اور ان سے مخاطب ہوئے۔ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ اور جواب بَلٰى شَهِدْنَا (کیوں نہیں ہم نے مشاہدہ کر لیا ہے اور ہم اقراری ہیں) اگرچہ دو لفظ ہیں لیکن اس جواب کا بھی غایت درجہ اختصار از خود پتہ دیتا ہے کہ جس تجلی کا اس آیت میں ذکر ہے وہ بھی بہت ہی ہیبتناک تھی۔ کیونکہ غایت درجہ خوف و ہراس ہی انسان کی پکار اور اسکا جواب دو حرفی ہی ہوتا ہے۔ مثلاً آگ لگنے یا چور کا علم ہونے پر لفظ آگ اور چور ہی بے ساختہ زبان سے نکلتے ہیں۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے ؎

لَغْطَةُ الْغَارِقِ فِي الْآلَامِ
يَرْتَجِي الشَّاطِيَ بَيْنَ الظُّلَمِ
قَلَّتِ الْأَحْرُفُ فِيهِمَا
إِنَّمَا كَثُرَ فِيهِمَا مَعَانِي الْأَلَمِ

یعنی دُکھوں میں غرق انسان جو اندھیروں میں کنارے پہنچنے کی اُمید رکھتا ہے اس کی بات میں حروف تھوڑے مگر درد و دُکھ کے معانی بہت ہوتے ہیں۔

سورۃ الاعراف کی آیت مذکورہ بالا میں جواب "بَلٰى شَهِدْنَا" گو غایت درجہ مختصر ہے مگر اپنے اس اختصار

سے پتہ دیتا ہے کہ نہایت ہی مہیب اور پُر رعب قہاری تجلی یہاں مُراد ہے جس کی دہشت سے بنی آدم کو خدا تعالےٰ کی وحدانیت اور ربوبیت کا اقرار کرنا پڑا۔ پس اِس آیت کی بلاغت ایک طرف لفظ "قَالَ" کے محذوف ہونے اور دوسری طرف اِس جواب کے مختصر ہونے میں نمایاں ہے۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ سے پہلے قَالَ کو حذف کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس مواخذہ والی قہاری تجلی کا تعلق قول سے نہیں بلکہ حال سے ہے۔ اور بنی آدم کی ذریت کی طرف سے جو جواب دیا گیا ہے وہ ان کی رُوح کی گہرائیوں سے نکلا ہوا جواب ہے۔ انسان پر یہ حالت اُس وقت طاری ہوتی ہے جب اُس کے سامنے پُر رعب و پُر ہیبت تجلی ہو جس سے سازِ رُوح کی ساری تاریں ہِل جاتی ہیں۔ اور وہ بے ساختہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے جلال کے سامنے بے بس پاتا ہے۔

یہ تیسری مثال ہے اِس بات کے ثبوت میں کہ قرآن مجید کے پُر حکمت، بلیغ کلام میں لفظ قَالَ یونہی بلاوجہ حذف نہیں ہوتا بلکہ موقع اور محل کے تقاضا سے چھوڑا جاتا ہے۔ علامہ زمخشریؒ نے محولہ بالا آیت کی شرح میں قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا میں لفظ قَالُوْا کا مفہوم مجازاً حالی اقرار کے معنوں میں لیا ہے۔ یعنی یہ کہ بنی آدم کی ذریت کی روحوں نے جو اقرار کیا ہے وہ زبانِ قال سے نہیں بلکہ زبانِ حال سے کیا ہے۔ گویا ان کے نزدیک لفظ قَالُوْا بطور استعارہ اور مجاز کے ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کی قہاری تجلی انتہائی طور پر ہیبتناک ہو رہی ہے تو پھر زبان سے بھی اور حال سے بھی انسان اس کی وحدانیت اور ربوبیت کا اقرار اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر آن اور ہر لحظہ میں اور ہر حالت میں زبان سے بھی اقرار کرتا ہے۔ اسلئے لفظ قَالُوْا محض مجاز و استعارہ کے طور پر نہیں بلکہ امرِ واقعہ کے بیان کے لئے برمحل وارد ہوا ہے۔ ایک جگہ لفظ قَالَ کا محذوف ہونا اور دوسری جگہ لفظ قَالُوْا کا وارد ہونا دونوں اپنی اپنی جگہ پر واقعات کی تصویر ہیں۔ اور بلاغت کی یہی تعریف ہے کہ واقعات کی صحیح تصویر کلام میں اُتار دی جائے۔ جیسے کیمرہ انسان کی تصویر کھینچتا ہے۔ اور جہاں آنکھ ہوتی ہے وہاں آنکھ اور جہاں ناک اور کان ہوتے ہیں وہاں ناک اور کان دکھلائے جاتے ہیں اسی طرح آیت زیر بحث میں یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ واقعہ کی تصویر بغیر کم و کاست کھینچی گئی ہے جیسا کہ ابھی اس کی تھوڑی سی تفصیل عرض کی جائے گی۔

علامہ زمخشریؒ نے اِس آیت کی شرح میں یہ سوال اُٹھایا ہے کہ یہاں بنی آدم کی ذریت میں سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور اس کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ یہودیوں کے آباء و اجداد مراد ہیں جنہوں نے شرک کیا۔ اور اس جواب کی تائید میں انہوں نے اس آیت کا سیاق و سباق بطور دلیل پیش کیا ہے۔ جیسا کہ اِس آیت کے معًا بعد اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اَشْرَكَ اٰبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ یعنی یا یہ نہ کہدو کہ ہمارے باپ دادوں نے شرک کیا اور ہم ان کی اولاد ہیں کیا تُو ہمیں باطل پرستوں کی کرتوت کی وجہ سے ہلاک کریگا۔ علامہ زمخشریؒ کا یہ استدلال نہایت صحیح ہے۔

اس سے قبل کے رکوع ۱۹ میں بھی ان یہودیوں کا ہی

ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے سبت کی بے حرمتی کی۔ اور پھر اس سزا کا ذکر کیا گیا ہے جو خدا کے حکموں کو توڑنے کی وجہ سے ان پر نازل ہوئی یعنی وہ ذلیل بندر بنائے گئے۔ غیر قومیں ان پر مسلط کی گئیں اور وہ زمین میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پراگندہ کر دیئے گئے۔ یہ دونوں رکوع انہی گردن کش نافرمان یہودیوں اور ان کی بداعمالی کی پاداش سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسلئے اس میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں کہ یہاں بنی آدم سے مراد نافرمان یہودی اور ان کی ذریت ہے۔

علامہ زمخشریؒ کے استدلال کے پیش نظر قرآن مجید کی آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ کا مفہوم نہایت واضح ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ لفظ اَخَذَ سے مراد مواخذہ ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں ان معنوں میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ سورہ اعراف کے ہی سترھویں رکوع میں ہی لفظ اَخَذَ تین معنوں میں وارد ہوا ہے۔ ایک سزا کے معنوں میں جیسے فرمایا۔ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ یعنی ہم نے ظالموں کو ان کی بدعہدی اور بدکاریوں کی وجہ سے نہایت ہی سخت سزا میں پکڑ لیا۔

(۲) دوسرا مفہوم اَخَذَ کا عہد لینا اور اس کیلئے ذمہ وار قرار دینا ــــ فرماتا ہے اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ۔

(۳) اَخَذَ کے تیسرے معنے مضبوطی سے عمل کرنے کے ہوتے ہیں۔ فرمایا۔ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ۔ یعنی جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس پر مضبوطی سے عمل کرو۔

قرآن مجید میں لفظ اَخَذَ اپنے صلہ مِنْ کے ساتھ بھی استعمال ہوا ہے اور اس کے معنے مضبوطی سے گرفت کرنے اور سزا دینے کے ہیں۔ چنانچہ سورہ واقعہ کے دوسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ۔ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (آیت ۴۵) یعنی اگر یہ رسول کوئی ایک بات بھی افترا کرے تو ہم دائیں ہاتھ سے اس کو پکڑ لیں اور اس کی شاہ رگ کو کاٹ دیں۔ (اَخَذَ مِنْهُ کے معنے تمکّن منہ یعنی مضبوطی سے اس کی گرفت کی۔)

پس آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ میں بھی شدید مواخذہ اور ذمہ دار گردانا ہی مراد ہے۔ الفاظ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ کے متعلق علامہ زمخشریؒ اور دیگر مفسرین نے واضح کیا ہے کہ یہ جملہ بدل بعض ہے کُل کا جو بنی آدم ہے۔ اور عبارت یوں ہے مِنْ ظُهُوْرِ بَنِيْٓ اٰدَمَ یعنی بنی آدم کی پیٹھوں سے۔

قواعد کے لحاظ سے اس نحوی ترکیب کے متعلق جو انہوں نے بیان کی ہے مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں لیکن میرے لئے اس قسم کی توجیہہ تسلی بخش نہیں۔ درحقیقت یہاں اس عبرانی محاورہ کو دوہرایا گیا ہے جو توریت میں بار بار استعمال ہوا ہے۔ اور جس میں اس سزا کا ذکر ہے جو خداوند خدا کے آئین (شریعت) اور حکموں کی نافرمانی کی وجہ سے بنی اسرائیل کو دیئے جانے کی نہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ

اطلاع دی گئی۔ بلکہ تقریباً ہر نبی جو بعد میں آیا ہے وہ اس پُشت در پُشت دیئے جانے والی سزا کا ذکر کسی نہ کسی رنگ میں کرتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ خروج باب ۲۰ میں بنی اسرائیل کو بایں الفاظ مخاطب کیا گیا ہے۔

"خداوند تیرا خدا جو تجھے ملک مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا ..... تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔ اور جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں ان کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پُشت تک باپ دادا کی سزا دیتا ہوں۔" (۱-۶)

اسی طرح خروج باب ۳۱ میں فرماتا ہے:۔

"اور خداوند نے موسیٰ سے کہا تو بنی اسرائیل سے یہ بھی کہہ دینا کہ تم میرے سبتوں کو ضرور ماننا اسلئے کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان تمہاری پُشت در پُشت ایک نشان رہے گا.....
..... پس بنی اسرائیل سبت کو مانیں اور پُشت در پُشت اسے دائمی عہد جان کر اسکا لحاظ رکھیں۔" (۱۲-۱۸)

اور استثناء باب ۶ میں ہے:۔

"اور جب آئندہ زمانہ میں تیرے بیٹے تجھ سے سوال کریں کہ جن شہادتوں اور آئین اور فرمان کے ماننے کا حکم خداوند ہمارے خدا نے تم کو دیا ہے۔ ان کا مطلب کیا ہے؟ تو تُو اپنے بیٹوں کو یہ جواب دینا کہ جب ہم مصر میں فرعون کے غلام تھے تو خداوند اپنے زور آور ہاتھوں سے ہم کو مصر سے نکال لایا۔ اور خداوند نے بڑے بڑے اور ہولناک عجائب ونشان ہمارے سامنے اہل مصر اور فرعون اور اس کے سب گھرانے پر کر کے دکھائے اور ہم کو وہاں سے نکال لایا تاکہ ہم کو اس ملک میں جسے ہمیں دینے کی قسم اس نے ہمارے باپ دادا سے کھائی ہے۔ سو خداوند نے ہمیں ان سب احکام پر عمل کرنے اور ہمیشہ اپنی بھلائی کے لئے خداوند اپنے خدا کا خوف ماننے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ وہ ہم کو زندہ رکھے جیسا آج کے دن ظاہر ہے۔"

(۲۰ - ۲۵)

اور باب ۸ میں فرماتا ہے:۔

"اور ایسا نہ ہو کہ تو اپنے دل میں کہنے لگے کہ میری ہی طاقت اور ہاتھ سے یہ دولت مجھے نصیب ہوئی ہے بلکہ تو خداوند اپنے خدا کو یاد رکھنا کیونکہ وہی تجھ کو دولت حاصل کرنے کی قوت اس لئے دیتا ہے کہ اپنے اس عہد کو جس کی قسم اس نے تیرے باپ دادا سے کھائی تھی قائم رکھے جیسا آج کے دن ظاہر ہے اور تُو اگر کبھی خداوند اپنے خدا کو بھولے اور اور اَور معبودوں کا پیرو بن کر ان کی عبادت اور پرستش کرے تو میں آج کے دن تم کو آگاہ کئے دیتا ہوں کہ تم ضرور ہی نیست

ہو جاؤ گے۔ جن قوموں کو خداوند تمہارے سامنے ہلاک کرنے کو ہے انہی کی طرح تم خداوند اپنے خدا کی بات نہ ماننے کی وجہ سے ہلاک ہو جاؤ گے۔" (۱۷-۳۰)

اسی طرح باپ دادا کی غلطیوں کی وجہ سے اُن کی اولاد سے مؤاخذہ کرنے کے متعلق فرماتا ہے:-

"خداوند قہر کرنے میں دھیما اور شفقت میں غنی ہے۔ وہ گناہ اور خطا کو بخش دیتا ہے لیکن مجرم کو ہرگز بری نہیں کرے گا کیونکہ وہ باپ دادا کے گناہ کی سزا ان کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پُشت تک دیتا ہے۔"

(گنتی باب ۱۴۔ آیت ۱۸)

یہودیوں کی نافرمانی کی حالت میں اُن کی ذرّیت کے مواخذہ کی پیشگوئی کرتے ہوئے احبار باب ۲۶ میں فرماتا ہے:-

"اور تم غیر قوموں کے درمیان پراگندہ ہو کر ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور تمہارے دشمنوں کی زمین تم کو کھا جائے گی۔ اور تم میں سے جو باقی بچیں گے وہ اپنی بدکاری کے سبب تمہارے دشمنوں کے ملکوں میں گھلتے رہیں گے اور اپنے باپ دادا کی بدکاری کے سبب سے بھی وہ انہی کی طرح گھلتے جائیں گے۔ تب وہ اپنی اور اپنے باپ دادا کی بدکاری کا اقرار کریں گے کہ انہوں نے مجھ سے خلاف ورزی کر کے میری حکم عدولی کی۔ اور یہ بھی مان لیں گے کہ چونکہ وہ میرے خلاف چلے تھے اس لئے میں بھی انکا مخالف ہوا۔ اور ان کو ان کے دشمن کے ملک میں لا چھوڑا۔ اگر اس وقت ان کا نامختون دل عاجز بن جائے اور وہ اپنی بدکاری کی سزا کو منظور کریں تب میں اپنا عہد جو یعقوب کے ساتھ تھا یاد کروں گا۔ اور جو اضحاق کے ساتھ کیا اور جو عہد میں نے ابراہیم کے ساتھ باندھا تھا ان کو بھی یاد کروں گا اور اس ملک کو یاد کروں گا۔"

یہ باب آخر تک ملاحظہ ہو۔ اس میں بنی اسرائیل کے مواخذہ پر توبہ کرنے پر ان کو نئے سرے سے موقع دیئے جانے کا وعدہ ہے اور اس وعدہ کا ذکر استثناء باب ۳۰ میں بھی ہے۔ فرماتا ہے:-

"اور جب یہ سب باتیں یعنی برکت اور لعنت جن کو میں نے آج تیرے آگے رکھا ہو تجھ پر آئیں اور تو ان قوموں کے بیچ جن میں خداوند تیرے خدا نے تجھ کو ہنکا کر پہنچا دیا ہو۔ ان کو یاد کرے اور تُو اور تیری اولاد دونو خداوند اپنے خدا کی طرف پھریں۔ اور اس کی بات ان سب احکام کے مطابق جو میں آج تجھ کو دیتا ہوں اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے مانے تو خداوند تیرا خدا تیری اسیری (قید) کو پلٹ کر تجھ پر رحم کریگا۔ .... تیری اولاد کے دل کا ختنہ کرے گا تاکہ تُو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے محبت رکھے اور

جیتا رہے۔" (۱-۶)

مذکورہ بالا حوالجات سے ظاہر ہے کہ برکت اور لعنت کا جو عہد بنی اسرائیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے باندھا گیا وہ پُشت در پُشت چلنے والا عہد ہے۔ اِسی وجہ سے قرآن مجید میں مِنْ ظُهُوْرِهِمْ کے الفاظ زائد کر کے اس عہد کی طرف یہودیوں کو توجہ دلائی ہے اور اسے توڑنے کے بد انجام سے خبردار کیا ہے۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کا یہ حصّہ کہ کس طرح انہوں نے خدا تعالیٰ کے عہد کو بار بار توڑا اور پھر کس طرح وہ ساری لعنتیں ان پر بار بار انڈھیلی گئیں ——— جن کا ذکر تفصیل سے استثناء باب ۲۸ میں کیا گیا ہے ——— تاریخ کا یہ حصّہ نہایت ہی ہیبت ناک اور عبرتناک ہے۔ خدا تعالیٰ نے بار بار ان کی نجات کا سامان نبیوں کو وعدہ کے مطابق مبعوث کر کے مہیا کیا۔ ان انبیاء نے اپنے وعظ و نصیحت میں جب کبھی انہیں مخاطب کیا تو وہ برابر برکت اور لعنت اور پُشت در پُشت اثر انداز ہونے والے مواخذہ کا ذکر کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ آخر میں اُنہیں وہ نبی بھی آئے جنہوں نے برملا کہا کہ اب تم سے وہ عہد ختم ہو چکا ہے اور ایک نیا عہد تم سے قائم کیا جائے گا اور نئے عہد کے ذریعہ سے تمہیں موقع دیا جائے گا۔ اس نئے عہد کی تفصیل ملاحظہ ہو مکرم فاضل ابو العطاء صاحب کا قابلِ قدر اور محققانہ مضمون جو "الفرقان" گذشتہ پرچہ میں بعنوان "عہد نامہ جدید قرآن مجید ہے نہ کہ انجیل" میں تفصیل سے شائع کیا گیا ہے آیت زیر بحث کی تشریح کے تعلق میں صرف دو حوالے پیش کرتا ہوں۔ یرمیاہ نبی کہتے ہیں:۔

"اور خداوند فرماتا ہے جس طرح مَیں نے اُن کی گھات میں بیٹھ کر اُن کو اُکھاڑا اور ڈھایا اور گرایا اور برباد کیا اور دُکھ دیا اسی طرح مَیں نگہبانی کر کے ان کو بناؤں گا اور لگاؤں گا۔ ان ایّام میں پھر یوں نہ کہیں گے کہ باپ دادا نے کچّے انگور کھائے اور اولاد کے دانت کھٹّے ہو گئے ..... دیکھو وہ دن آتے ہیں خداوند فرماتا ہے جب مَیں اسرائیل کے گھرانے اور یہوداہ کے گھرانے کے ساتھ نیا عہد باندھوں گا۔ اس عہد کے مطابق نہیں جو مَیں نے ان کے باپ دادا سے کیا۔ جب مَیں نے ان کی دستگیری کی تاکہ ان کو مُلکِ مصر سے نکال لاؤں۔ اور انہوں نے میرے اس عہد کو توڑا اگرچہ مَیں ان کا مالک تھا۔"

(۳۱-۳۸)

اس پیشگوئی کے آخر میں فرماتا ہے کہ:۔

"مَیں بنی اسرائیل کو ان کے سب اعمال کے سبب رد کر دوں گا اور ایک ایسا نیا عہد قائم کیا جائے گا کہ جو اس عہد کو ملنے گا۔ اور ایک نیا گھر تعمیر کیا جائے گا وہ ہمیشہ تک نہ کبھی اُکھاڑا نہ گرایا جائیگا۔"

اسی طرح حزقی ایل نبی کہتے ہیں:۔

"اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ تم اسرائیل کے حاکم کے ملک کے حق میں کیوں یہ مثل کہتے ہو کہ باپ دادا نے کچّے انگور کھائے

اور اولاد کے دانت کھٹے ہوئے۔ خداوند خدا فرماتا ہے مجھے اپنی حیات کی قسم کہ تم پھر اسرائیل میں یہ مثل نہ کہو گے۔ دیکھ سب جانیں میری ہیں۔ جیسی باپ کی جان ویسی بیٹے کی جان بھی میری ہے۔ جو جان گناہ کرتی ہے مرے گی ..... اور اسے بنی اسرائیل میں ہر ایک کی روش کے مطابق تمہاری عدالت کروں گا۔ توبہ کرو اور اپنے تمام گناہوں سے باز آؤ تاکہ بدکرداری تمہاری ہلاکت کا باعث نہ ہو۔"

(باب ۱۸۔ آیت ۱-۳۱)

اس تعلق میں حزقی ایل نبی کی کتاب کا باب ۲۱ بھی ملاحظہ ہو جس میں مُلکِ اسرائیل کے خلاف نبوت کرنے کا ذکر ہے۔ اور ان کی تباہی کا بھی۔ ان دو حوالوں میں اُس پُشت در پُشت مواخذہ کا صریح طور پر ذکر کیا گیا ہے جس کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیشگوئی فرمائی تھی اور انکے بعد آنے والے انبیاء علیہم السلام اس کی تصدیق کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ نئے عہد کے نبی سرورِ کونین ہمارے آقا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا اور آپؐ کے ذریعہ نیا عہد نامہ پیش کیا اور بنی اسرائیل کو اصلاح کا موقع دیا گیا اور اس نئے عہد کو رد کرنے پر اسی پُشت در پُشت مواخذہ کیطرف یہودیوں کی توجہ منعطف کرائی گئی ہے تاکہ وہ سمجھیں، شرارت سے باز آئیں اور فائدہ اُٹھائیں۔

چنانچہ آیت زیر بحث کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل پر ایسے طور سے حجت پوری ہو چکی ہے کہ قیامت کے روز ان کے لئے کسی عذر کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اور فرماتا ہے کہ یہ عذر نہیں سُنا جائیگا کہ غلطیاں ہمارے باپ دادا نے کیں اور ہم جو اُن کی اولاد ہیں ان سے مواخذہ نہیں ہو گا اور انہیں ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ٥ کہ ہم اسی طرح آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں اور باز آئیں۔

اس آیت نے وضاحت کر دی ہے زیرِ تشریح آیت کی کہ اس میں اُس مواخذہ کا ذکر کیا گیا ہے جس کا سلسلہ پُشت در پُشت بنی اسرائیل میں قائم ہوا اور ان کو توجہ دلائی گئی ہے کہ پہلے عہد میں ان کی پُشت در پُشت اولاد کو بھی ذمہ دار گردانا گیا تھا۔ اور جب حضرت موسےٰ علیہ السلام نے یہ پیشگوئی فرمائی کہ:۔

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے (تیرے ہی بھائیوں میں) میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سُننا۔ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہو گا جو تُو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سن پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو۔ تاکہ میں مر نہ جاؤں۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لئے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُسکے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دونگا وہی

وہ اُن سے کہیگا - اور جو کوئی میری اِن باتوں کو
جن کو وہ میرا نام لے کر کہیگا نہ سُنے تو
مَیں ان کا حساب اس سے لوں گا۔"

(استثناء باب ۱۸ - آیت ۱۵-۲۰)

یہ مضمون تفصیل چاہتا ہے کہ اس موعودہ نبی کے مبعوث ہونے اور اس کی سُننے کے متعلق بعض انبیاء بنی اسرائیل اپنے اپنے زمانہ میں نہ صرف ان لوگوں کو جو اُن کے وقت میں موجود تھے بلکہ اُن کی آئندہ آنے والی پُشتوں کو بھی اس عہد کے نبیؐ کے ماننے کے لئے تاکید کرتے چلے آئے ہیں - ان کے کلام میں اس بات کا صراحت سے ذکر ہے کہ اگر اُس نبی کو نہ مانا گیا تو وہ ہمیشہ کے لئے رد کر دیئے جائیں گے اور ان پر نجات کے دروازے بند ہو جائیں گے - یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں خصوصیت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے - وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ - یعنی تیرے رب نے پہلے سے بنی اسرائیل کی ذریت کو تجھ پر ایمان لانے کے لئے ذمہ دار قرار دیا ہے - اور یہ کہ جس طرح پہلے نافرمانی پر ان سے بار بار مواخذہ ہوا اب بھی اسی طرح مواخذہ ہوگا - اور یہ کہ ان کے لئے محاسبہ کے دن یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہے گی کہ ہم اس بات سے غافل تھے -

بالآخر قارئین کرام سے یہ التماس ہے کہ سورہ اعراف کے محولہ بالا دو رکوع کو کسی مترجم قرآن مجید سے پڑھیں شروع سے آخر تک آیات کا باہمی تعلق مذکورہ بالا شرح کے پیش نظر از خود ظاہر ہو جائے گا - لیکن یہ شرط ہے کہ بنی اسرائیل کی تاریخ کا علم ہو - ان کی تاریخ یاد اش کا خلاصہ یہی دو لفظ ہیں بَلٰی - شَهِدْنَا - انہوں نے نہایت بیباکی سے شریعت کے احکام توڑے اور پھر خدا تعالیٰ کی گرفت نے انہیں بار بار کچلا اور پامال کیا تو وہ چلّا اُٹھے - روئے اور گڑگڑائے اور خدائے واحد یگانہ کے آستانہ پر گر پڑے اور بَلٰی اور شَهِدْنَا کہہ کر اقرار کیا - انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفے گریہ و زاری اور نوحہ خوانی سے بھرے پڑے ہیں - اور یہ گریہ و زاری ان کی تاریخ کا ایسا طرۂ امتیاز ہے کہ بیت المقدس کی دیوار گریہ میں اب تک اس کا نشان قائم ہے - اب جو شخص بنی اسرائیل کی اس تاریخ سے ناواقف ہوگا وہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ - قَالُوْا بَلٰی - شَهِدْنَا کے الفاظ سے کیا حاصل کر سکتا ہے - اسی طرح اس کے ماسبق اور مابعد کی آیات کی ترتیب سمجھنے کے لئے بھی اس قوم کی تاریخ سے واقفیت ضروری ہے - جیسا کہ عربی زبان اور قرآن حکیم کے اسلوب بلیغ سے واقفیت بھی - جب یہ آیات نازل ہوئیں تو عرب میں بسنے والی قوم یہود اپنی تاریخ سے بھی واقف تھی اور عربی زبان کے اسالیب سے بھی مگر بُعدِ زمانہ اور جہالت کی وجہ سے آیات کا مفہوم ذہنوں سے ناپید ہو چکا ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی برکت سے پھر بحال کیا جا رہا ہے -

ایک دلچسپ مکالمہ

قرآن کریم کی عظمت شان کا اعتراف

برطانیہ کے ایک بلند پایہ مستشرق سے گفتگو

(از جناب چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ الوکیل الاعلیٰ تحریک جدید، سابق امام مسجد لندن)

ڈاکٹر بیل (Bell) سکاٹ لینڈ کے چوٹی کے مستشرق ہیں۔ آپ ایڈمبرا یونیورسٹی میں پروفیسر تھے، اب ریٹائر ہو چکے ہیں لیکن تالیف و تصنیف کا شغل جاری ہے۔ ابھی تھوڑا عرصہ ہی گذرا کہ اُن کا قرآن کریم کا ترجمۂ انگریزی شائع ہوا ہے۔ جب سلسلہ کی طرف سے قرآن کریم انگریزی ترجمہ کی جلد اوّل شائع ہوئی تو اُن کے اِس ذوق کے باعث اُنہیں بھی ایک نسخہ ریویو کے لئے بھجوایا گیا۔ اس طرح اُن سے خط و کتابت شروع ہو گئی۔ مجھے اشتیاق تھا کہ اس بلند پایہ مستشرق سے مل بھی سکوں۔ نومبر ۱۹۴۹ء میں اس کی تقریب نکل آئی۔ ہمارے انگریز نومسلم بھائی مسٹر بشیر احمد آرچرڈ نے جو سکاٹ لینڈ کے مشن کے انچارج ہیں خواہش کی کہ میں چند یوم کے لئے اُن کے پاس آؤں۔ چنانچہ ۲۲ نومبر کو اُن کی خواہش کی تعمیل میں مَیں گلاسکو پہنچا۔ برادرم آرچرڈ نے میرے دَوران قیام میں مصروفیات کا جو پروگرام بنایا وہ گلاسکو اور ایڈمبرا دونوں پر حاوی تھا۔ میری تجویز پر ایڈمبرا میں ڈاکٹر بیل سے ملاقات کو بھی اس پروگرام میں شامل کر لیا گیا۔

سہ پہر کا وقت تھا کہ برادرم آرچرڈ اور مَیں ایڈمبرا یونیورسٹی کے مستشرق ریورنڈ منٹگمری واٹ کو ملتے ہوئے ڈاکٹر بیل کے مکان پر پہنچے۔ پرانی طرز کا مکان تھا۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ بغیر زیادہ انتظار کے دروازہ کھُلا تو ہماری نظریں ایک بھاری چہرہ والے شخص سے دوچار ہوئیں۔ چہرہ پر طویل عمر کی محنت اور بڑھاپے کے آثار ظاہر تھے۔ بڑی بڑی بھنویں قدیم وضع کا پتہ دے رہی تھیں۔ تبسم آمیز خوش آمدید کے ساتھ ہمیں اندر لیجایا گیا۔ مسز بیل کمرہ میں تھیں اُن سے تعارف کرایا۔ کوئلہ کی خوشگوار آگ انگیٹھی میں سُلگ رہی تھی کے گرد سادہ آرام کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ گھر کی سادگی سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ جلیل القدر عالم اپنی پونجی کو علمی ذوق کی تسکین کے لئے ہی خرچ کر رہا ہے۔ اور مسز بیل کو گھر کی زیب و زینت کے لئے کم ہی ملا ہے۔ رسمی موسمی گفتگو کے جلد بعد ہی مسز بیل چائے اور گھر کے بنے ہوئے کیک لے آئیں۔ کئی ایک علمی و مذہبی مسائل زیر بحث آئے اس گفتگو کا ایک حصہ ہدیۂ ناظرین الفرقان کیا جاتا ہے۔

احمدی:۔ ڈاکٹر بیل! آپ عربی زبان کے فاضل ہیں اور اس کی خوبیوں کو پرکھ سکتے ہیں۔ آپ کا قرآن کریم

کے متعلق کیا خیال ہے ؟

ڈاکٹر بیل :۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کی زبان انتہا درجہ کی ہے ۔

احمدی :۔ آپ نے قرآن کریم پڑھا ہے ۔ یہ چھوٹی سی کتاب ہے لیکن اس میں کس قدر علوم کا ذخیرہ موجود ہے؟ مثال کے طور پر قانونِ وراثت کو لیجئے کس طرح چند الفاظ میں سارا قانون بیان کر دیا گیا ہے ۔ گذشتہ تیرہ صدیوں تک وسیع اسلامی دُنیا اس پر انحصار کرتی رہی ہے ۔ کوئی یہ نہ مانے کہ اسلامی قانونِ وراثت دُنیا کے باقی قوانینِ وراثت سے افضل ہے لیکن اس امر کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ پر جو الفاظ خدا نے جاری کروائے اُنہیں دیگر قوانین کے مقابل پر رکھا جائے تو وہ اُن سے ادنیٰ نظر نہیں آتے ۔

ڈاکٹر بیل :۔ یہ درست ہے ۔ قرآن کریم کی اس عظمت کو مَیں تسلیم کرتا ہوں لیکن (مسکراتے ہوئے کہا) آپ اس سے جو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ ثابت ہونا مشکل ہے ۔ آپ قرآن کریم کو کسی اور ہستی کی طرف منسوب کر کے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ذہانت کا پورا اعتراف نہیں کرتے ۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اس سے بہت زیادہ ذہین تھے جتنا آپ لوگ بیان کرتے ہیں ۔

احمدی :۔ کیا حدیث حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر مشتمل ہے ؟

ڈاکٹر بیل :۔ ہاں ایسا ہی ہے ۔

احمدی :۔ تو پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ کلام حدیث میں محفوظ ہے ؟ اگر قرآن کریم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کلام ہے تو دونوں کا سٹائل اور بیان مشابہ ہونا چاہیئے ۔ کیا یہ دونوں مشابہ ہیں ؟

ڈاکٹر بیل :۔ نہیں یہ مشابہ نہیں ہیں ۔ دونوں میں بڑا فرق ہے ۔

احمدی :۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن کریم کا متکلم احادیث کے متکلم سے مختلف ہے ؟

ڈاکٹر بیل :۔ انداز بے شک مختلف ہے لیکن یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہی ایک مخصوص انداز ہے جو قرآن سے باہر کہیں نہیں پایا جاتا ۔

احمدی :۔ اگر آپ کا یہی خیال ہے کہ قرآن کریم حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ہی تصنیف ہے تو پھر آپ قرآن کریم کے چیلنج کو قبول کیوں نہیں کرتے ؟ اسے ایک انسان کی تصنیف سمجھتے ہیں تو پھر سب مل کر اس کی مثل تیار کر دیں ۔ آکسفورڈ ۔ کیمبرج ۔ لنڈن ۔ مانچسٹر وغیرہ کی یونیورسٹیوں میں کئی ایک اعلیٰ درجہ کے عربی کے فاضل موجود ہیں اور پھر لبنان میں بھی غیر مسلم

عربی عالموں کی کمی نہیں۔ اگر قرآن واقعی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی کلام ہے تو اس کی مثل تیار کرنی کیا مشکل ہوگی؟

ڈاکٹر بیل:۔ یہ ممکن نہیں کیونکہ کسی بھی تصنیف شدہ کتاب کی مثل تیار کرنا مشکل ہوتا ہے۔

احمدی:۔ اگر آپ کا یہی خیال ہے تو پھر بھی یہ مسئلہ بڑی آسانی سے طے ہو جاتا ہے۔ آپ کے نزدیک کسی بھی تصنیف شدہ کتاب کی مثل تیار نہیں کی جاسکتی۔ آپ تمام علماء ملکر ایک کتاب تیار کردیں۔ جس میں یہی چیلنج دُنیا کو دیدیں کہ کوئی اس کی مثل نہیں تیار کرسکتا۔ پھر اگر ہم قرآن کریم کا چیلنج پیش کریں آپ اپنا چیلنج پیش کردیں۔ چلئے مسلمانوں کو خاموش کرانے کا یہ سہل نسخہ آپ کے ہاتھ آجائے گا۔

(ڈاکٹر بیل خاموشی سے مسکرا دیئے)

احمدی:۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کے بے نظیر ہونے کا جو اعجاز اسے بخشا ہے اس زمانہ میں اس کے ظل کے طور پر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو بھی یہ اعجاز دیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی تائید سے معجزانہ کلام لکھا اور دُنیا کو اس کی نظیر پیش کرنے کا چیلنج دیا لیکن آج تک خدا نے کسی کو توفیق نہیں دی کہ نظیر پیش کر سکے۔ چنانچہ

پروفیسر مارگولیتھ جب قادیان گئے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ (ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) سے گفتگو کے دوران میں انہوں نے اس اعجاز کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تو حضور نے اُن کے سامنے "اعجاز المسیح" کو رکھدیا کہ اس حالی کی ہی تصنیف کا جواب پیش کریں۔ پروفیسر مارگولیتھ کوئی جواب نہ دے سکے۔

ڈاکٹر بیل اب بھی خاموش تھے۔ گھنی بھنوؤں کے نیچے نظریں جُھکی ہوئی تھیں۔ جذبات پر پردہ ڈالنے کیلئے ہونٹوں پر مسکراہٹ لانے کی کوشش کر رہے تھے۔۔۔۔

حق تعالیٰ نے سچ فرمایا۔

أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝
فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ۝

یہی ہے جس کو کہتے ہیں حقیقت میں مسلمانی

(از مکرم راجہ نذیر احمد صاحب ظفر متعلم جامعہ احمدیہ!)

جہاں میں نورِ قرآں کا بھلا کیوں ہو کوئی ثانی!
جواہر سے بھی ہیں تابندہ تر آیاتِ قرآنی!

حکیم و عالم اسرار نے اس کو کیا نازل!
جبھی ہے اس کے آگے محوِ حیرت عقلِ یونانی!

زمانے بھر میں قرآں کی نظیر ہرگز نہیں ملتی!!
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا، کہ ہے یہ نطقِ یزدانی!

نہیں ممکن کلام اللہ کی تشبیہ کسی شے سے!

نہ ہے یہ بحر میں وسعت نہ سورج میں یہ تابانی!

وہ اقوالِ ارسطو اور یہ آراءِ اہلِ مغرب کی!
انہیں قرآں سے نسبت ہے تو یہ حکمت وہ نادانی!

ارے غافل مسلماں تو ہے مورِ ناتواں لیکن!

ہے تیرے پاس وہ شے بھی جو دیتی ہے سلیمانی!

اگر تو نورِ قرآں کو نہیں رہبر بنائے گا!
نہ پائے گا تو منزل کو نہ کھوئے گا پریشانی!

حکومت جن پہ قرآں کر رہا ہے آج عالم میں!
وہی پائیں گے کل عالم میں دنیا کی جہانبانی!

سمجھ کر روحِ قرآں کو اوامر پر عمل کرنا!
یہی ہے جس کو کہتے ہیں حقیقت میں مسلمانی!

ظفر کی یہ دعا ہے منزلِ قرآن کے آگے!
کہ توفیقِ عمل دے کر عطا کر فہمِ قرآنی!

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے رسول تھے!

بائیبل کی روشنی میں تین بنیادی اصول کی رو سے فیصلہ!

(از مولوی عبدالکریم خان صاحب کاٹھگڑھی جامعۃ المبشرین ربوہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نبی اپنے زمانہ کے تمام انسانوں کے لئے مبعوث نہیں ہوتے تھے بلکہ ہر نبی صرف اپنی اپنی قوم کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ اسی کے مطابق حضرت مسیح ناصری علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے آئے تھے لیکن آپ کے فوت ہو جانے کے بعد عیسائیت میں جہاں اور بدعت و شرک ترقی پکڑ گیا وہاں عیسائیوں نے اس لحاظ سے بھی غلط قدم اٹھایا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو تمام دنیا کا نبی قرار دیدیا۔ حالانکہ یہ دعویٰ اناجیل کے رو سے بھی درست ثابت نہیں ہوتا۔ آؤ ہم اس پر چند ایسے بنیادی اصول کی روشنی میں غور و تدبر کریں جو عیسائیوں کو بھی مسلّم ہوں۔ وہ حسب ذیل تین اصول ہیں:۔

اوّل:۔ یہ دیکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی بعثت کو اس کی وحی میں عام قرار دیا ہے یا اسے کسی خاص قوم سے مخصوص ٹھہرایا ہے؟

دوم:۔ یہ دیکھا جائے کہ اس کے متعلق سابقہ پیشگوئیاں کیا ظاہر کرتی ہیں؟ آیا وہ نبی کسی خاص قوم کے لئے مبعوث ہونے والا ہے یا تمام دنیا کے لئے مشعل راہ ہوگا؟

سوم:۔ یہ دیکھا جائے کہ نبی کا اپنا دعویٰ اور طرز عمل کیا ثابت کرتا ہے؟

ان تین اصول کے ذریعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت رَسُولًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ ہی ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ:۔

(۱) "میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔" (متی ۱۵/۲۴)

یعنی مجھے خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا۔

(۲) "ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے۔" (متی ۱۸/۱۱)

یوحنا کی انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری رنگ میں بھی اسرائیلی اقوام میں سے بعض قومیں لاپتہ اور کھوئی ہوئی تھیں۔ جیسا کہ عرب کے یہودی۔ جن کے متعلق مسلّم ہے کہ مسیح سے قبل پانچویں صدی میں بخت نصر کے ظلم سے بھاگ کر عرب اور مختلف مقامات میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ آستر کی کتاب باب ۱/۱ میں ذکر آتا ہے کہ "اخسویرس" جو کوش سے لیکر ہندوستان تک ۱۲۷ صوبوں پر سلطنت کرتا تھا اس کی سلطنت میں ہر جگہ یہودی

پائے جاتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہودی مختلف ممالک میں پراگندہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ انہی یہودی قبائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مسیح کہتے ہیں:۔

"میری اَور بھی بھیڑیں ہیں جو اس بھیڑخانہ کی نہیں۔ مجھے اُن کو بھی لانا ضرور ہے۔ اور وہ میری آواز سُنیں گی۔ پھر ایک ہی گلہ اور ایک ہی چرواہا ہوگا" (یوحنا $\frac{10}{16}$)

دوسرے اصول کی روشنی میں بھی حضرت مسیح کی بعثت بنی اسرائیل سے مخصوص ثابت ہوتی ہے۔ متی انجیل نویس نے سب سے پہلے جو پیشگوئی حضرت مسیح پر چسپاں کی ہے وہ میکاہ $\frac{5}{2}$ کی ہے متی انجیل نویس لکھتا ہے کہ جب مسیح یہودیہ کے بیت لحم میں پیدا ہوا تو قوم کے سب سرداروں، کاہنوں اور فقیہوں کو ہیرودیس بادشاہ نے جمع کرکے پوچھا کہ مسیح کی پیدائش کہاں ہونی چاہیئے۔ انہوں نے اس سے کہا "یہودیہ کے بیت لحم میں۔ کیونکہ نبی کی معرفت یوں لکھا گیا ہے۔ کہ اے بیت لحم یہوداہ کے علاقے تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں۔ کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری اُمت اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا" (متی $\frac{2}{6}$)

ازراہِ انصاف غور کیا جائے تو

(۱) "میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہوگا" (میکاہ $\frac{5}{2}$) کے الفاظ اس جھگڑے کو حل کر دیتے ہیں۔

(۲) "تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری اُمت اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا۔" (متی $\frac{2}{6}$) بھی بتاتا ہے کہ سابقہ پیشگوئیوں کے موافق حضرت مسیح ناصری علیہ السلام صرف اسرائیل کے رُوحانی بادشاہ تھے، عالمگیر نبی نہ تھے۔

تیسرے اصول کی روشنی میں حضرت مسیح کا اپنا دعویٰ اور طرزِ عمل دیکھنا ضروری ہے۔ انجیل میں لکھا ہے:۔

(۱) "پھر یسوع وہاں سے نکل کر صور اور صیدا کے علاقہ کو روانہ ہوا۔ اور دیکھو ایک کنعانی عورت اُن سرحدوں سے نکلی اور پکار کر کہنے لگی۔ اے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم کر ایک بدرُوح میری بیٹی کو ستاتی ہے۔ مگر اُس نے اُسے کچھ جواب نہ دیا۔ اور اُس کے شاگردوں نے پاس آکر اُس سے یہ عرض کی کہ اسے رخصت کر دے۔ کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے۔ اُس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ مگر اُس نے آکر اُسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند میری مدد کر۔ اس نے جواب میں کہا لڑکوں کی روٹی لے کر کُتّوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔"

(متی $\frac{15}{21-26}$)

(۲) پھر اپنے حواریوں کو وصیت کی کہ غیر اسرائیلیوں کو میری تعلیم نہ پہنچانا۔ بنی اسرائیل کو ہی تبلیغ کرنا لکھا ہے:

"پاک چیز کُتّوں کو نہ دو۔ اور اپنے موتی سُؤروں کے آگے نہ ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ

اُنہیں پاؤں تلے روندیں اور پلٹ کر تمہیں پھاڑیں۔" (متی ۷/۶)

(۳) حضرت مسیح نے حواریوں کے تبلیغی وفد کو فرمایا کہ:-

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔" (متی ۱۰/۵)

یہ حوالہ جات شاہد ناطق ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ہی تعلیم دینا اور تبلیغ کرنا ضروری سمجھا۔

پس ان تینوں اصولوں کی روشنی میں یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے ہی آئے تھے "رَسُوۡلًا اِلَی النَّاسِ جَمِیۡعًا" نہیں تھے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا۔ آپ کے متعلق سابقہ پیشگوئی جسے انجیل نویس خود مسیح پر ہی منطبق سمجھتے ہیں بھی بتلاتی ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کے حاکم تھے۔

پھر جو دعوے آپ نے پیش کیا۔ اور اس کی تائید میں جو نمونہ اپنے تابعین اور دیگر اقوام کے سامنے پیش کیا۔ نیز حواریوں کو جو تعلیم دی یہ سارے امور اسی حقیقت تک پہنچاتے ہیں۔ کہ آپ صرف بنی اسرائیل کی راہ نمائی کے لئے آئے تھے۔ اور

عالمگیر نبی نہ تھے ؏

ریویو:-

مقالاتِ صارم

اس نام سے جناب مولوی عبد الصمد صاحب صارم پروفیسر عربی و فارسی اورنٹیل کالج لاہور کے چند شائع شدہ مقالات کو کتابی شکل میں طبع کیا گیا ہے۔ مقالات کے عنوان۔ قدیم[۱] اسلامی نظریۂ تعلیم۔ خوارج[۲]۔ قید خانے[۳] اور سزائیں۔ عورت[۴]۔ جمع[۵] قرآن پر ایک نظر' ہیں۔ اس مجموعہ میں بعض تراجم بھی شامل ہیں۔ مقالات محنت سے لکھے ہوئے ہیں لیکن بعض مقالے ابھی تشنۂ تکمیل ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے۔ "قرآن مجید میں ہے۔ لوگو! عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ کیونکہ اللہ کی ضمانت پر تم نے ان کو اپنے قبضہ میں لیا ہے۔" (صث) حالانکہ یہ فقرات کسی آیت قرآنی کا ترجمہ نہیں ہیں۔ تاہم رسالہ بہت سے مفید معلومات پر مشتمل ہے۔ آخر میں مرض سل کے متعلق ایک قیمتی مضمون درج ہے۔ کتابی سائز پر رسالہ کا حجم ۱۷۶ صفحات ہے۔ کاغذ درمیانی ہے۔ قیمت مجلد عہ غیر مجلد عہ مقرر ہے۔

ملنے کا پتہ:- ادارہ علمیہ۔ وسنی رام روڈ۔ نئی انار کلی۔ لاہور

تاثیراتِ فرقانیہ ہر زمانے میں موجود ہیں!

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السّلام کا اعلان

"اگر آنحضرت اُمّی نہ ہوتے تو مخالفین اسلام بالخصوص یہودی اور عیسائی جن کو علاوہ اعتقادی مخالفت کے یہ بھی حسد اور بغض دامنگیر تھا کہ بنی اسرائیل میں سے رسول نہیں آیا۔ بلکہ اُن کے بھائیوں میں سے جو بنی اسماعیل ہیں آیا۔ وہ کیونکر ایک صریح امر خلاف واقعہ پاکر خاموش رہتے۔ بلاشبہ ان پر یہ بات بکمال درجہ ثابت ہو چکی تھی کہ جو کچھ آنحضرت کے مُنہ سے نکلتا ہے وہ کسی اُمّی اور ناخواندہ کا کام نہیں اور نہ دس بیس آدمیوں کا کام ہے۔ تب ہی تو وہ اپنی جہالت سے اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ کہتے تھے۔ اور جو ان میں سے دانا اور واقعی اہلِ علم تھے وہ بخوبی معلوم کر چکے تھے کہ قرآن انسانی طاقتوں سے باہر ہے اور ان پر یقین کا دروازہ ایسا کُھل گیا تھا کہ اُن کے حق میں خدا نے فرمایا يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ یعنی اس نبی کو ایسا شناخت کرتے ہیں کہ جیسا اپنے بیٹوں کو شناخت کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں یہ دروازہ یقین اور معرفت کا کچھ ان کیلئے ہی نہیں کُھلا بلکہ اس زمانے میں بھی سب کیلئے کُھلا ہے کیونکہ قرآن شریف کی حقانیت معلوم کرنے کیلئے اب بھی وہی معجزات قرآنیہ اور وہی تاثیرات فرقانیہ اور وہی تائیدات غیبی اور وہی آیاتِ لاریبی موجود ہیں جو اس زمانے میں موجود تھیں۔ خدا نے اس دین قویم کو قائم رکھنا تھا اسلئے اس کی سب برکات اور سب آیات قائم رکھیں۔ اور عیسائیوں اور یہودیوں اور ہندوؤں کے ادیان محرفہ اور باطلہ ناقصہ کا استیصال منظور تھا اس جہت سے ان کے ہاتھ میں صرف قصے ہی قصے رہ گئے۔ اور برکت، حقانیت اور تائیداتِ سماویہ کا نام و نشان نہ رہا۔ ان کی کتابیں ایسے نشان بتلا رہی ہیں جن کے ثبوت کا ایک ذرہ نشان ان کے ہاتھ میں نہیں۔ صرف گذشتہ قصوں کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ مگر قرآن شریف ایسے نشان پیش کرتا ہے جن کو ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے۔"

(براہین احمدیہ صفحہ ۴۹۵-۴۹۸)

کشمیر میں راجہ شالباہن کی حضرت مسیح ناصری علیہ السلام سے ملاقات

ہندو لٹریچر میں آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل کا ایک حوالہ

(از جناب شیخ عبد القادر صاحب لائلپور)

آیت قرآنی وَاٰوَیْنٰهُمَآ اِلٰی رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ کی تصدیق اور سیدنا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی تائید میں ہمارے فاضل نامہ نگار جناب شیخ عبد القادر صاحب آف لائلپور نے یہ ایک فاضلانہ اور محققانہ مضمون پیش فرمایا ہے۔ ہندو لٹریچر کے دوسرے ماہرین سے بھی درخواست ہے کہ وہ اس پہلو کے متعلق اپنی ریسرچ الفرقان میں شائع فرما کر ممنون فرمائیں! —— ایڈیٹر

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کا پُر زور اعلان۔

انیسویں صدی کے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یورپ کے محققین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مجھے افسوس آتا ہے کہ .... کیوں یہ محقق حضرت مسیح کے قدم مبارک کو نیپال اور تبت اور کشمیر کے پہاڑوں میں تلاش نہیں کرتے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ اتنی بڑی سچائی کو ہزاروں تاریک پردوں میں سے پیدا کرنا ان کا کام نہیں تھا بلکہ یہ اس خدا کا کام تھا جس نے آسمان سے دیکھا۔ کہ مخلوق پرستی حد سے زیادہ زمین پر پھیل گئی۔ اور صلیب پرستی اور انسان کے ایک فرضی خون کی پرستش نے کروڑہا دلوں کو سچے خدا سے دُور کر دیا۔ تب اس کی غیرت نے ان عقائد کے توڑنے کے لئے جو صلیب پر مبنی تھے ایک کو اپنے بندوں میں سے دُنیا میں مسیح ناصری کے نام پر بھیجا۔ اور وہ جیسا کہ قدیم سے وعدہ تھا مسیح موعود ہو کر ظاہر ہوا۔ تب کسر صلیب کا وقت آگیا۔ یعنی وہ وقت کہ صلیبی عقائد کی غلطی کو ایسی صفائی سے ظاہر کر دینا جیسا کہ ایک لکڑی کو دو ٹکڑے کر دیا جائے۔ سو اب آسمان نے کسر صلیب کی ساری راہ کھول دی۔ تا وہ شخص جو سچائی کا طالب ہے اب اُٹھے اور تلاش کرے۔ ..... اب اندھیرا نہیں رہے گا۔ رات گزر گئی۔ دن چڑھا اور مبارک

وہ جو اب محروم نہ رہے۔"

(مسیح ہندوستان میں ص۸۵، ۸۶)

حضورؑ اسی کتاب میں دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

"یہ خدا کا ارادہ تھا کہ وہ چمکتا ہوا حربہ اور وہ حقیقت نما برہان کہ جو صلیبی اعتقاد کا خاتمہ کرے، اس کی نسبت ابتداء سے یہی مقدر تھا کہ مسیح موعود کے ذریعہ دُنیا میں ظاہر ہو۔ کیونکہ خدا کے پاک نبیؐ نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ صلیبی مذہب نہ گھٹے گا اور نہ اس کی ترقی میں فتور آئے گا جب تک کہ مسیح موعود دُنیا میں ظاہر نہ ہو۔ اور وہی ہے جو کسرِ صلیب اس کے ہاتھ پر ہوگی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بس ضرور تھا کہ آسمان اِن امور اور اِن شہادتوں اور اِن قطعی اور یقینی ثبوتوں کو ظاہر نہ کرتا جب تک کہ مسیح موعود دُنیا میں نہ آتا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اور اب سے جو وہ موعود ظاہر ہوا ہر ایک کی آنکھ کھُلیگی اور غور کرنے والے غور کریں گے۔ کیونکہ خدا کا مسیح آگیا۔ اب ضرور ہے کہ دماغوں میں روشنی اور دلوں میں توجہ اور قلموں میں زور اور کمروں میں ہمت پیدا ہو اور اب ہر ایک سعید کو فہم عطا کیا جائے گا اور ہر ایک رشید کو عقل دی جائے گی۔ کیونکہ جو چیز آسمان میں چمکتی ہے وہ ضرور زمین کو بھی منور کرتی ہے۔"

(مسیح ہندوستان میں ص۶۲)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اِن پاکیزہ کلمات سے یہ ظاہر ہے کہ موجودہ زمانہ میں یہ مقدر تھا کہ کسرِ صلیب کے لئے قطعی اور یقینی شہادتیں پیدا ہوں۔ جو کہ صلیبی اعتقادات کی بطالت روزِ روشن کی طرح ظاہر کر دیں۔ اور دُنیا انسان پرستی کے پھندے سے آزاد ہو کر خدائے واحد کے آستانہ پر ایک دفعہ پھر جھک جائے۔ یہ شہادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریرات میں پیش کر دی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ حادثۂ صلیب سے بچ کر دُور دراز کے مشرقی ممالک میں خدائے واحد کا نام بلند کرنے اور اپنے مشن کی تکمیل کے لئے چلے گئے۔ بالآخر کشمیر میں فوت ہوئے جہاں سرینگر کے محلہ خانیار میں ان کی قبر بھی موجود ہے۔ اِس تاریخی انکشاف کی تائید قدیم ہندو لٹریچر سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ پُران جو کہ ہندوؤں کی مقدس کتابیں ہیں اُن میں بھی یہ لکھا ہوا موجود ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ کشمیر میں تشریف لائے۔

پُرانوں کی تاریخی حقیقت

پُران کے لفظی معنی پُرانی تاریخ کے ہیں۔ اٹھارہ کی تعداد میں یہ ہندوؤں کی قدیم کتابیں ہیں۔ جن میں دُنیا کے آغاز، دیوتاؤں کے کارنامے، پُرانے خاندانوں کے شجرہ ہائے نسب، تاریخی واقعات اور دھرم کے متعلق

ہدایات درج ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مہابھارت سے پہلے بھی اٹھارہ پران موجود تھے۔ مگر اب یہ پران اپنی ابتدائی شکل میں من و عن موجود نہیں ہیں بلکہ ان میں بہت کچھ ترمیم و اضافہ ہو چکا ہے۔ یہ چیز بھی مسلّمہ ہے کہ یہ سب پران ایک ہی وقت میں تصنیف نہیں ہوئے بلکہ اپنی موجودہ حالت میں مختلف اوقات میں لکھے گئے۔ ان کا ایک بڑا حصہ قدیم پرانوں کی بنیاد پر گپتا خاندان کے عہد میں یعنی چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں ترتیب دیا گیا۔ ان پرانوں میں بہت سے تاریخی واقعات بیان ہوئے ہیں۔ مختلف مقامات اور تاریخی شخصیتوں کے نام آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پران تاریخ ہندوستان کا ایک ماخذ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اٹھارہ پرانوں میں سے نواں پران بھوشیہ پران کے نام سے موسوم ہے۔ جس کے معنے مستقبل کی خبریں دینے والے قدیم نوشتہ کے ہیں۔ اس پران میں جہاں مستقبل کی خبریں درج ہیں وہاں بعض تاریخی واقعات بھی بیان ہوئے ہیں۔ اس کے متعلق آریہ فرقہ کے لوگ یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ یہ پران قدیم نہیں ہے بلکہ گیارھویں صدی عیسوی یا مابعد کے زمانہ میں لکھا گیا ہے۔ یہ خیال درست نہیں ہے۔ اگر گیارہویں صدی یا اس کے بعد کی کسی شخصیت کا اس پران میں ذکر ہے تو اس سے یہ لازم تو نہیں آئے گا کہ یہ پران سب کا سب اس صدی میں لکھا گیا۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس پران کا ایک حصہ قدیم زمانہ میں لکھا گیا اور ایک حصہ بعد کے زمانہ میں۔ مابعد کے تاریخی عنصر کی وجہ سے اس پُران کی تاریخی اہمیت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اگر کسی تاریخ کی کتاب میں ایک دو ابواب کا اضافہ کر دیا جائے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں لیا جا سکتا کہ بیان شدہ تاریخی واقعات سب کے سب غلط ہیں۔ یہ درست ہے کہ اس پران میں مختلف اوقات میں اضافے ہوتے رہے لیکن بنیادی بھوشیہ پران کی قدامت کا آپ اسی سے اندازہ لگائیے کہ ایک قدیم سنسکرت نوشتہ "دھرما سوترا" جو کہ کیمبرج ہسٹری کے محققین کے نزدیک دوسری صدی قبل مسیح بلکہ اس سے بھی بہت پہلے کا ہے اس میں بھوشیہ پران کا ذکر موجود ہے۔ (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا حصہ اوّل صفحہ ۳۰۱ ایڈیشن ۱۹۳۵ء)

اسی طرح مورخِ ہند وِنسنٹ اے۔ سمتھ اپنی کتاب The early History of India کے صفحہ ۱۹،۱۸ میں بعض محققین کے اس خیال کی پُرزور تردید کرتا ہے کہ بعض پران ہندوستان میں مسلمانوں کے عہد میں لکھے گئے۔ اس مؤرخ نے پرانوں کی قدامت پر قدیم کتابوں اور دستاویزات کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ یہ خیال بالکل باطل ہے۔ مثلاً وہ لکھتا ہے کہ مؤرخِ ہند "البیرونی" ۱۰۳۰ء میں ہندوستان میں اٹھارہ پرانوں کی موجودگی کا ذکر کرتا ہے۔ ان سب کے ناموں اور جن رشیوں کی طرف وہ منسوب ہیں ان کی باقاعدہ لسٹ دیتا ہے۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ ان میں سے تین کو میں نے از خود دیکھا بھی ہے۔ اس شہادت کی موجودگی میں یہ کہنا کہ بعض پران تمام و کمال گیارھویں صدی عیسوی یا اس کے بعد مسلمانوں کے عہد میں لکھے گئے ایک موہوم خیال ہے۔

پرانوں کی موجودہ شکل کے متعلق وِنسنٹ اے سمتھ لکھتا

ہے کہ گپتا عہد میں یعنی چوتھی اور پانچویں صدی میں جب سنسکرت زبان بام عروج پر پہنچ گئی اور قدیم و جدید ہندو لٹریچر تمام و کمال ایک جگہ فراہم ہوگیا تو اس عظیم الشان مواد کو سامنے رکھ کر بنیادی پرانوں کو ان کی قدیم شکل سے ترمیم و اضافہ کے بعد موجودہ شکل میں مدون کیا گیا (The early History of India Edition 1904 P. 19, 267)

قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بھوشیہ پران میں راجہ شالباہن کی حضرت مسیح ناصری سے ملاقات کا واقعہ بھی اسی عہد میں فراہم شدہ عظیم الشان لٹریچر کی بنا پر لکھا گیا۔ چونکہ ہندو قدیم کتابوں اور بدھ لٹریچر میں حضرت مسیح ناصری کی آمد ہندوستان کا ذکر پایا جاتا تھا۔ اور یہ واقعہ مشہور تھا۔ اسلئے بھوشیہ پران کی نئی ترتیب و تدوین کے وقت مناسب سمجھا گیا کہ راجہ شالباہن کے ذکر میں یہ واقعہ درج کر کے تاریخ کے اس باب میں ایک مفید اضافہ کر دیا جائے۔ بہرحال اس پران میں حضرت مسیح ناصری کی آمد ہندوستان کا ذکر صاف ظاہر کرتا ہے کہ قدیم بدھ اور ہندو لٹریچر اور روایات میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے۔

بھوشیہ پران کا حوالہ

مشہور آریہ لیکھک مہاشہ لکشمن نے اپنے رسالہ "بھوشیہ پران کی آلوچنا" میں بھوشیہ پران کی اصل سنسکرت عبارت دیکر اس کا مندرجہ ذیل ترجمہ دیا ہے:-

"ایک بار شک دیش کا راجہ شالباہن ہمالہ کی چوٹی پر گیا تو اس طاقتور راجہ نے ہون دیش کے بیچ پہاڑ پر بیٹھے ہوئے ایک گورے رنگ والے سفید کپڑے پہنے ہوئے پاک انسان کو دیکھا۔ راجہ نے اس سے پوچھا۔ آپ کون ہیں؟ وہ خوش ہو کر بولا۔ میں کنواری کے گربھ (بطن) سے پیدا ہوا ہوا خدا کا بیٹا ہوں۔ میں ملیچھ دھرم (یعنی غیر آریہ دھرم) کا اُپدیشک (واعظ) اور ستیہ برت (سچائی) کا دھارن (اختیار کرنے والا) ہوں۔ یہ سنکر راجہ نے کہا کہ آپ کونسے دھرم کو مانتے ہیں؟ وہ بولا۔ مہاراج! ملیچھ دیش میں ستیہ (سچائی) کے ناش ہونے اور مریادا (حدود شریعت) کے ٹوٹ جانے سے میں مسیح روپ میں پرگھٹ (ظاہر) ہوا ہوں ...... نیتا شدہ تھا کلیان کاری ایش (ازلی مقدس اور فائدہ بخش خدا)

؎ بدھ لٹریچر میں حضرت مسیح ناصری کی آمد ہندوستان کا ذکر قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ چنانچہ تبت کے آثار سے بھوج پتر پر لکھے ہوئے حضرت مسیح ناصری کے سوانح برآمد ہوئے ہیں جو روسی سیاح نکولس ناٹووچ نے "Unknown life of Jesus Christ" کے نام سے شائع کر دیئے ہیں۔ یہ انکشاف اس امر پر ایک بیّن شہادت ہے کہ حضرت مسیح کا ذکر بدھ لٹریچر میں قدیم زمانہ سے موجود ہے۔

کی مُورتی ہردے (دل) میں پرابت (حاصل)
ہونے کے کارن میرا عیسیٰ مسیح یہ نام مشہور ہے"

{ بھوشیہ پران پرتی سرگ پرب کھنڈ ۳
ادھیائے ۲ شلوک ۲۱ تا ۲۵ و ۳۰ - }

مہاشہ لکھشمن نے جو حوالہ دیا ہے اس میں ترجمہ کی بعض غلطیاں ہیں - اس کا جو حصہ ہم نے اُوپر درج کیا ہے وہی ہماری سمجھ میں آیا ہے - باقی حصہ سنسکرت آمیز ہندی عبارت میں ہے اور عبارت سخت پیچیدہ اور مغلق ہے - اس لئے مفصّل اور صحیح حوالہ دوسری جگہ سے درجِ ذیل ہے۔

مفصّل حوالہ

بھوشیہ مہاپران جو کہ پہلی مرتبہ سنہ ۱۹۱۰ء میں مہاراجہ کشمیر سر پرتاپ سنگھ کے حکم سے بمبئی میں سنسکرت زبان میں شائع ہوا اُس سے مذکورہ حوالے کا انگریزی ترجمہ ودیارتھی ڈاکٹر شوناتھ شاستری نے کیا ہے جو کہ خواجہ نذیر احمد صاحب نے اخبار لائٹ (جلد ۳۱ نمبر ۲۴) میں اپنے ایک مفید اور قابلِ قدر مضمون میں شائع کیا ہے - اس انگریزی عبارت کا اُردو ترجمہ درج ذیل ہے:-

"جب راجہ بکرماجیت کی وفات ہوئی - تو اس کی بادشاہت اٹھارہ حصوں میں منقسم ہوگئی - ان میں بسنے والی رعایا مختلف زبانوں سے تعلق رکھتی تھی - اس کے بعد ساکا قوم دریائے سندھ کو عبور کر کے اور کچھ حصہ ہمالیہ کے راستوں سے آریہ دیش میں وارد ہوئی اور آتے ہی ملک میں لُوٹ مار شروع کر دی - کچھ عرصہ بعد ان کا ایک حصہ لُوٹ کے مال کے ساتھ واپس چلا گیا۔

اِس دَوران میں راجہ شالی واہن (شالباہن) جو بکرماجیت کا پوتا تھا تخت نشین ہوُا - اُس نے تھوڑے ہی عرصہ میں ساکا چینیوں، تاریوں، وال ہکس (بخارا کے لوگ) کام رُوپس (پارتھین) اور خراسانیوں کو شکست دیکر سزا دی - تب اُس نے ملیچھ قوموں اور آریوں کو علیحدہ علیحدہ ممالک میں بسا دیا - ملیچھ دریائے سندھ کے اوپر کی طرف اور آریہ دریائے سندھ کے نیچے کی طرف بسائے گئے۔

ایک دن وہ (یعنی راجہ شالباہن) ہمالیہ کے ایک مُلک میں گیا - وہاں اس نے ساکا کے ایک راجہ کو وینؔ[۱] (Wain) مقام پر دیکھا - وہ خوبصورت رنگ کا تھا اور سفید کپڑوں میں ملبوس تھا - شالباہن نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ وہ "یُوسا شافَت" (یوز آسف) ہے - اور عورت[۲] کے بطن سے پیدا ہوُا - (راجہ شالباہن

---

[۱] وین - سرینگر کے شمال مشرق میں دس میل کے فاصلہ پر ایک گندھک کے چشمہ کے مقام کا نام ہے۔

[۲] عورت کے بطن سے تو سبھی پیدا ہوتے ہیں - یہ کوئی خصوصیت قابلِ اظہار نہ تھی - دراصل مترجم نے اس موقع پر غلطی کی ہے - مہاشہ لکھشمن نے "بھوشیہ پران کی الوچنا" میں عورت کی بجائے "کنواری" ترجمہ کیا ہے جو کہ مناسب

کے حیران ہونے پر) اس نے کہا کہ مَیں نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ اور مَیں مذہب کو پاک و صاف کرنے کے لئے آیا ہوں۔ راجہ نے اس سے پوچھا کہ آپ کونسا مذہب رکھتے ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ اے راجہ! جب صداقت معدوم ہو گئی اور ملیچھوں کے ملک میں حدود قائم نہ رہے تو مَیں وہاں مبعوث ہوا۔ میرے کام کے ذریعہ (جب) گنہگاروں اور ظالموں کو تکلیف پہنچی تو ان کے ہاتھوں سے مَیں نے بھی تکلیفیں اُٹھائیں۔ راجہ نے اس سے (پھر) پوچھا کہ آپ کا مذہب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا مذہب محبت، صداقت اور تزکیۂ قلوب پر مبنی ہے۔ اور اسی (مشن) کے لئے میرا نام عیسیٰ مسیح رکھا گیا۔ اس کے بعد راجہ آداب و تسلیمات بجا لایا اور وہ واپس ہوا۔" (بھوشیہ مہا پران صفحہ ۲۸۲ پرب ۳۔ ادھیائے ۲۔ شلوک ۹ تا ۳۱۔ مطبوعہ ۱۹۱۰ء در بمبئی)

راجہ شالباہن کے زمانہ کی تعیین

اس حوالہ میں راجہ شالباہن کو بکرماجیت کا پوتا قرار دیا گیا ہے۔ یورپین محققین عام طور پر چندر گپت ثانی کو بکرماجیت قرار دیتے رہے ہیں۔ لیکن اب وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہندو روایت کے مطابق پہلی صدی قبل مسیح میں بھی کوئی راجہ ضرور ہوا ہے جس نے بکرماجیت کا لقب اختیار کیا (ملاحظہ ہو کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص ۵۲۳ ایڈیشن ۱۹۳۵ء)

راجہ شالباہن اس بکرماجیت کا پوتا تھا۔ اس کا زمانہ عام طور پر پہلی صدی عیسوی میں متعین کیا جاتا ہے۔ چنانچہ زیر لفظ شالی واہن Kale کی سنسکرت انگلش ڈکشنری میں لکھا ہے کہ شالی واہن ہندوستان کے ایک مشہور راجہ کا نام ہے جس کی سمت ۷۸ عیسوی سے شروع ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ راجہ حضرت مسیح ناصریؑ کا ہمعصر تھا۔ کیونکہ حدیث کی رُو سے آپؑ کی عمر ۱۲۰ یا ۱۲۵ سال کی ہوئی۔ اس لحاظ سے آپ کا سال وفات ۱۱۶ یا ۱۲۱ عیسوی میں متعین ہوتا ہے۔

ایک اشتباہ کا ازالہ

اس حوالہ میں حضرت مسیح ناصریؑ کو ساکا قوم کا راجہ لکھا گیا ہے۔ یہاں یہ مدنظر رہے کہ ہندوستانی لٹریچر میں ساکا کی اصطلاح جہاں ساکا قوم کے لئے استعمال ہوتی ہے وہاں ہر باہر سے آنے والی قوم کو بھی ساکا قرار دیدیا گیا ہے۔ چنانچہ کشان قوم کو بھی ہندوستانی لٹریچر میں کئی جگہ ساکا ہی لکھا ہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو بھی بعض دفعہ ساکا کے نام سے ہی پکارا گیا۔ چنانچہ مؤرخ ہندو ونسنٹ اے۔ سمتھ اپنی تاریخ Ancient and Hindu India میں لکھتے ہیں:۔

"Indian used the term Saka vaguely

to denote foreigners from beyond the passes. (P. 124)

کہ ہندوستانی لٹریچر میں ساکا کی اصطلاح ہر باہر سے آنے والی قوم کے لئے مستعمل ہے۔ اس وضاحت کو مدنظر رکھتے ہوئے غور کریں کہ ہندوستان کے بنی اسرائیل جن کی ہدایت کے لئے حضرت مسیح ناصریؑ ادھر آئے۔ وہ چونکہ باہر سے آئے تھے اسلئے مذکورہ حوالہ میں ان کو ساکا قرار دیکر حضرت مسیح کو اس قوم کا راجہ بیان کیا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کشمیر میں بسنے والی ساکا قوم میں حضرت مسیح ناصریؑ نہایت عزت و مرتبت رکھتے ہوں۔ اسلئے ان کو ساکا قوم کا راجہ کہا گیا۔ پران کے حوالہ سے ہی ظاہر ہے کہ یہ قوم ہمالیہ کے راستہ سے آئی اور تاریخ سے ثابت ہے کہ کشمیر میں بھی اس قوم نے بود و باش اختیار کی۔

یوز آسف

اس حوالہ کی اہمیت اس امر سے بہت بڑھ جاتی ہے کہ اس میں عیسیٰ مسیح کو "یوساشافٹ" یعنی یوز آسف قرار دیا گیا۔ یہ نام آپ کا ہندوستان میں مشہور ہوا۔ اور اس حوالہ میں وضاحت کر دی گئی کہ یوز آسف اور عیسےٰ مسیح ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اور یہ بھی وضاحت کر دی گئی کہ حضرت مسیح ناصریؑ کسی غیر ملک میں مبعوث ہوئے۔ وہاں سے ظالموں کی ایذاء رسانیوں کے باعث آپ ہندوستان میں وارد ہوئے۔ کنز العمال کی روایت میں بھی یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ آپ اس جگہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جائیں۔ مبادا آپ پہچانے جائیں اور (دوبارہ) ایذا دیئے جائیں۔ (کنز العمال جلد ۱۱ ص ۳۴ ۔ روایت حضرت ابوہریرہ)

الغرض سرینگر سے دس میل کے فاصلہ پر راجہ شالباہن کی حضرت مسیح ناصریؑ سے ملاقات کا ذکر پران میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحقیقات کی حرف بحرف تصدیق ہے۔

بنی اسرائیل ہندوستان میں

یہ عجیب بات ہے کہ اسی بھوشیہ پران میں یہ ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمّت کے لوگوں سے ہندوستان اور دوسرے ممالک بھرے پڑے ہیں۔ چنانچہ بھوشیہ پران پرتی سرگ پرب کھنڈ نمبر ۱۔ ادھیائے ۵ شلوک ۳۰ میں یہ لکھا ہے:-

"سرسوتی ندی کے پوتر برہم ورت کے ماسوا سارا جگت ملیچھ اچار یہ حضرت موسےٰ کے پیروؤں سے بھرا پڑا ہے۔"

یہ ترجمہ مشہور آریہ لیکھک مہاشہ لکھشمن نے اپنے رسالہ "بھوشیہ پران کی آلوچنا" میں دیا ہے۔ سرسوتی ندی نے چونکہ اپنا راستہ بدل لیا ہے اسلئے "برہماورت" کی حدود متعین کرنے میں مورخین کو مشکلات پیش آتی ہیں کسی زمانہ میں دریائے ستلج سرسوتی اور گھاگھرہ سے مل کر ایک بڑا دریا ہاکرا بن جاتا تھا جو کہ بہاولپور سے ہوتا ہوا دریائے سندھ میں جا گرتا تھا۔ اس وقت گنگ وجمن کے دوآبہ کی طرح برہماورتا بھی سرسوتی اور تھانیسر کے علاقہ میں بہنے والی درشدوتی

ندی کے درمیان دوآبہ کے علاقہ کو کہا جاتا تھا[1]۔

بہر حال اس پر سب محقق متفق ہیں کہ مشرقی پنجاب کا وہ علاقہ جو کہ ستلج اور جمنا کے درمیان ہے "برہماورت" کہلاتا تھا۔ یعنی تھانیسر سے لیکر ستلج تک کا علاقہ[2]۔

اب مذکورہ حوالہ پر غور کریں کہ اس کا کیا مطلب ہے کہ "برہماورت کے ماسوا سارے جگت میں بنی اسرائیل بھرے پڑے ہیں۔" صاف ظاہر ہے کہ جگت کا لفظ یہاں محدود معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل کے قدم فارس، میدیا، پارتھیا، افغانستان، کشمیر، شمال مغربی سرحدی صوبہ اور ہندوستان کے بعض دوسرے علاقوں میں پہنچ چکے تھے۔ اسلئے اس تاریخی حقیقت کو یوں بیان کیا گیا۔ کہ برہم ورت کی مقدس سرزمین کے ماسوا سارے جگت (یعنی مشرق) میں بنی اسرائیل پھیل چکے ہیں۔ اگر ہندوستان کو مستثنے کرنا ہوتا تو آریہ ورت کا لفظ استعمال کیا جاتا۔ یعنی یوں کہا جاتا کہ آریہ ورت کے ماسوا بنی اسرائیل سب جگہ بھرے پڑے ہیں لیکن یہاں برہماورت کا لفظ استعمال کیا گیا جو کہ منوسمرتی کی رُو سے سرسوتی اور دردشوتی ندی کے درمیان آریہ ورت کا ایک مشرقی گوشہ ہے (منوسمرتی ۲/۱۷)

اِس اسلوب سے صاف ظاہر ہے کہ مصنف کا منشا دیہ ہے کہ برہماورت کے علاوہ آریہ ورت کے دوسرے حصوں اور باقی مشرقی ممالک میں بھی بنی اسرائیل پھیل چکے ہیں۔

آثارِ قدیمہ کی ایک شہادت

اِس سلسلہ میں آثارِ قدیمہ کی ایک نئی شہادت درج کی جاتی ہے جس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ بنی اسرائیل ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں میں آکر آباد ہوئے تھے ٹیکسلا سے ایک آرامی کتبہ برآمد ہوا (آرامی زبان عبرانی زبان ہی کی ایک شکل ہے۔ حضرت مسیح ناصری کے زمانہ میں بھی عام یہودی یہ زبان بولا کرتے تھے) اور یہ محققین نے ثابت کیا کہ اِن علاقوں میں کسی زمانہ میں خالص آرامی زبان بولی اور لکھی جاتی تھی۔ اسی آرامی زبان کے رسم الخط سے بعد میں خروشتی رسم الخط پیدا ہوا۔ جو کہ ہندوستان میں صدیوں تک رائج رہا۔ چنانچہ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا حصہ اوّل ایڈیشن ۱۹۳۵ء صفحہ ۶۲ کا مندرجہ ذیل حوالہ اس سلسلہ میں قابلِ غور ہے:-

"That originally the Aramaic language and alphabet pure and simple were thus imported into Gandhara, as Buhler Conjuctured in 1895. (W. Z. K. M., IX, P 49), has been proved recently by Sir John

[1] Ancient and Hindu India P. 13

[2] ملاحظہ ہو نقشہ مندرجہ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۸ حصہ اوّل

Marshall's discovery of an Aramaic inscription at Taxila.
(A. Cowley, J.R.A.S, 1915, P. 346)

گویا آرامی زبان گندھارا (شمال مغربی پنجاب یعنی پشاور اور راولپنڈی کے اضلاع) میں فارس سے اپنی سادہ، اصلی اور حقیقی شکل میں منتقل ہوئی۔ یہ نظریہ ۱۸۹۵ء میں "بوہلر" نے پیش کیا۔ اور سر جان مارشل کو زمانۂ حال میں جب ٹیکسلا کے آثارِ قدیمہ سے ایک آرامی کتبہ دستیاب ہوا تو انہوں نے اس نظریہ کو پایۂ ثبوت پہنچا دیا۔ (سر جان مارشل کی اس تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۱۵ء صفحہ ۳۴۶)

اسی طرح کیمبرج ہسٹری آف انڈیا میں مذکورہ حوالہ سے پہلے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آرامی زبان کے رسم الخط سے بعد میں خروشٹی رسم الخط نکلا جو کئی صدیوں تک ہندوستان کے شمال مغرب میں رائج رہا۔ عبرانی کی قریبی شاخ آرامی زبان کا ہندوستان میں اپنی اصلی اور حقیقی شکل میں پایا جانا اور اس زبان کے کتبہ کا ملنا کیا واضح ثبوت نہیں کہ بنی اسرائیل فارس سے جب شمال مغربی ہندوستان میں آئے تو اپنے ساتھ اپنی آرامی زبان اور رسم الخط بھی ساتھ لائے جو کہ ان علاقوں میں پھیل گیا؟

(مضمون کا یہ حصہ بہت بڑی تحقیق کا محتاج ہے۔ انشاء اللہ کسی آئندہ مضمون میں زیادہ وضاحت کی جائیگی۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق)

خاتمۃ الکلام!

اِن تصریحات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اب بھوشیہ پران کا پہلا حوالہ دوبارہ پڑھیں جس میں یہ ذکر ہے کہ راجہ شالباہن ہمالیہ پہاڑ پر گیا۔ اس راجہ نے سرینگر سے دس میل کے فاصلہ پر وین مقام پر حضرت مسیحؑ سے ملاقات کی۔ انہوں نے بتایا کہ میرا نام عیسےٰ مسیح ہے۔ مَیں (چونکہ خدا تعالےٰ کی قدرتِ مجرّدہ سے) کنواری کے بطن سے پیدا ہوا۔ اس لئے مَیں خدا کا بیٹا ہوں۔ مَیں ایک غیر مُلک سے آیا ہوں۔ تاکہ اِس ملک میں سچے خدا کے نام کی تبلیغ کروں جھوٹ کو مٹادوں اور سچائی کو قائم کروں۔

جائے غور ہے کہ آج سے کم و بیش نصف صدی قبل اللہ تعالےٰ سے علم پاکر بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک تحقیق دُنیا کے سامنے پیش کی۔ وہ دُنیا کی نظروں میں عجیب تھی۔ لیکن اُس وقت سے لے کر آج تک وہ حرف بحرف درست ثابت ہو رہی ہے۔ کیا یہ آپؑ کی صداقت کا درخشندہ ثبوت نہیں؟ قرآن مجید نے اعلان فرمایا تھا کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام ایک "رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ" میں پہنچے ہیں۔ یہ اعلان اگرچہ مروجہ اناجیل اور عیسائی عقائد کے خلاف تھا مگر آثارِ قدیمہ اور تاریخی مستندات قرآنی اعلان کی صداقت پر گواہ ہیں۔ کیا یہ شہادت قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے پر شاہدِ ناطق نہیں؟ +

کتب تفاسیر پر نظر

قرآن مجید کے مفسرین نے اس پاک کتاب کی جو خدمت کی ہے وہ انکی محنت، کاوش اور عشق قرآنی پر ایک کھلی دلیل ہے۔ رسالہ الفرقان کا ایک موضوع سابقہ تفاسیر پر نظر و تبصرہ بھی ہے اسلئے ہمارے قارئین کو سب سے پہلے تفاسیر کے متعلق عام واقفیت ہونی ضروری ہے۔ اسلئے ہم ذیل میں اسلامی انسائیکلو پیڈیا مؤلفہ جناب مولوی محبوب عالم صاحب آنجہانی پیسہ اخبار مطبوعہ گیلانی الیکٹرک پریس ۱۹۳۲ء لاہور سے ذیل کا ایک قیمتی اقتباس زیر عنوان "تفسیر" درج کرتے ہیں ——— اس اقتباس میں انہوں نے تیس کتب تفاسیر کے متعلق سرسری معلومات درج کی ہیں اور انکے بعد آج تک کی معلومہ تفاسیر کا ایک اجمالی نقشہ بھی پیش کیا ہے جن تفسیروں سے انہیں کچھ دلچسپی تھی ایسی تفاسیر کی کل تعداد تین سو اڑتالیس درج ہوئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے کئی گنا زیادہ تفاسیر مدون اور مرتب ہو چکی ہیں۔ بہرحال یہ اقتباس علم تفسیر کے ہر معتقدی کیلئے مفید معلومات پر مشتمل ثابت ہوگا۔ (مدیر)

"تفسیر" لغوی معنے وضاحت کے ساتھ بیان کرنا۔ اصطلاحاً ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں خاص قرآن مجید کے مطالب وضاحت کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں۔ مگر جن کتابوں میں قرآن مجید کے سوا کسی اور کتاب کے مطالب کی توضیح ہو انکو تفسیر نہیں بلکہ شرح کہتے ہیں جیسے شرح صحیح بخاری، شرح وقایہ، شرح مطالع، شرح گلستان وغیرہ۔ شرح کے معنے ہیں کھولنا اور کسی مضمون کو کھولکر بیان کرنا گویا اسکی شرح کرنا ہے۔ خواہ وہ مضمون کوئی قرآنی آیت ہو یا حدیث یا فقہی مسئلہ ہو یا منطقی نکتہ۔ مگر قرآن مجید کی منزلت اس کے کلام الٰہی ہونیکی وجہ سے اجازت نہیں دیتی کہ اسکے متعلق شرح کا لفظ استعمال کیا جائے جسمیں کسی قدر سوء ادب پایا جاتا ہے اسلئے تفسیر کا لفظ وضع کیا گیا۔

فن تفسیر دو جزو سے مرکب ہے۔ ایک جزو منقولات ہے دوسرا معقولات۔ منقولات سے مراد شان نزول وغیرہ وہ امور ہیں جو نقل سے تعلق ہیں۔ متقدمین منقولات کو بسلسلہ روایات صحیح لکھا کرتے تھے۔ مگر متاخرین نے صرف والدی پر اعتماد کرکے اپنی کتابوں کو بے اعتبار بنالیا۔ انکے برخلاف ایک اور گروہ ہے جو روایت کی پابندی میں یہ غضب کر رہا ہے کہ اوہام و شکوک فلاسفہ یونان کو دین کا نام دیتا ہے اور صحیح احادیث و آثار سلف کی پروا نہیں کرتا جو تفاسیر اس افراط و تفریط سے بری ہیں اور معتدل طرز سے لکھی گئی ہیں وہ معتبر ہیں۔

تفاسیر سینکڑوں ہیں جن کے بیشمار نام کشف الظنون میں مندرج ہیں یہاں چند مشہور تفسیروں کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ تفسیر ابن جریر طبری۔ منقولات میں عمدہ ہے۔

۲۔ مجمع البحرین۔ تالیف علامہ جلال الدین سیوطیؒ۔ اتقان اس کا مقدمہ ہے۔

۳۔ تفسیر ابی اللیث۔ متوفی ۳۰۳ھ۔ روایت و درایت میں عمدہ ہے۔

۴۔ تفسیر ابن کثیر۔ متوفی ۷۷۴ھ۔ دس جلدوں میں۔ اچھی کتاب ہے۔

۵۔ تفسیر اسحٰق بن راہویہ نیشاپوری۔ متوفی ۲۳۸ھ۔ منقولات کو احتیاط سے نقل کیا گیا ہے۔

۶۔ تفسیر الخوارزمی متوفی ۵۳۹ھ۔ بطرز اہل حدیث۔

۷۔ تفسیر الحجبی۔ متوفی ۲۳۲ھ۔ ہر آیت کی دس وجہ پر تفسیر کی ہے۔

۸- تفسیر کشاف تالیف علامہ زمخشری- متوفی ۵۳۸ھ علوم عربیہ ادبیہ میں بے نظیر ہے منقولات میں پایہ بلند نہیں- اور کہیں کہیں معتزلی مذہب کی تائید درج ہے اسلئے اس پر ایک حاشیہ چڑھا ہے جس میں ان مقامات کی گرفت کر کے کتاب درست کی گئی ہے-

۹- تفسیر بیضاوی- از قاضی ناصر الدین بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ تفسیر کشاف اور تفسیر کبیر وغیرہ کا ملخص- نہایت معتبر اور عمدہ تفسیر ہے اور داخل درس ہے- لغو روایات سے پاک-

۱۰- مدارک التنزیل- از ابو البرکات عبد اللہ ابن احمد بن محمود نسفی متوفی ۷۱۰ھ حنفی مذہب کی عمدہ تفسیر ہے-

۱۱- معالم التنزیل- از ابو محمد حسین بن محمود بغوی متوفی ۵۱۶ھ بطرز اہل حدیث- کسی قدر غیر معتبر قصّے بھی درج ہیں-

۱۲- تفسیر جلالین- سورہ اسراء سے آخر تک- از جلال الدین محلی- متوفی ۸۶۴ھ- باقی از جلال الدین سیوطیؒ-

۱۳- تفسیر کبیر- از امام فخر الدین رازی- متوفی ۶۰۶ھ درایت میں اعلیٰ درجہ کی تفسیر ہے- روایت میں کم پایہ ہے-

۱۴- تفسیر مظہری- از قاضی ثناء اللہ پانی پتی- نہایت عمدہ تفسیر ہے- منقولات کو تحقیق سے لاتے ہیں-

۱۵- دُرِّ منثور- از جلال الدین سیوطی- کثرت سے منقولات ہیں لیکن رطب یابس

۱۶- سواطع الالہام ابو الفیض فیضی کی بے نقط تفسیر- عبارت آرائی ہے مقصد تفسیر سے بے بہرہ-

۱۷- سراج المنیر- شیخ خطیب شربینی کی تصنیف ہے رازی وغیرہ سے اخذ کرتا ہے-

۱۸- فتح الرحمٰن- ترجمہ قرآن مع حواشی فارسی میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی تصنیف ہے-

۱۹- فتح العزیز- چند سیپاروں کی تفسیر از شاہ عبد العزیز دہلوی- نہایت عمدہ کتاب فارسی میں ہے-

۲۰- موضح القرآن- ترجمہ و حاشیہ بزبان اُردو- از شاہ عبد القادر صاحب نہایت عمدہ ہے-

۲۱- تفسیر عباسی کسی نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایات کو جمع کر دیا ہے لیکن تصحیح طلب ہے-

۲۲- عرائس البیان- از ابو محمد بقلی شیرازی- بطریق اہل تصوّف-

۲۳- فتح البیان- از نواب صدیق حسن خان بہادر- قاضی شوکانی کی تفسیر کا ملخص ہے-

۲۴- تفسیر خازن- بطرز اہل حدیث مشہور و متداول تفسیر ہے-

۲۵- روح المعانی- مذہب حنفی کی ضخیم تفسیر دس جلدوں میں ہے-

۲۶- تفسیر حسینی فارسی میں ملا حسین کاشفی واعظ کی تفسیر بطرز اہل تصوّف ہے

۲۷- تفسیر محمدی- پنجابی زبان میں تالیف حافظ محمد ساکن "لکھوکی" بمذہب غیر مقلد

۲۸- تفسیر القرآن اردو میں- چند سیپاروں کی تفسیر از سر سید احمد خان جس میں فلسفیانہ خیالات ظاہر کئے گئے ہیں اور اسلام کی مسلمات قدیمہ کی تحریف کرنے کی کوشش کی گئی ہے-

۲۹- تفسیر احمدی- صرف اُن پانچسو آیات کی تفسیر جن میں احکام فرائض نازل ہوئے ہیں- از ملا جیون استاد ابو المظفر اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ حنفی مذہب کی تفسیر ہے-

۳۰- تفسیر حقانی- مولانا مولوی ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی کی آٹھ جلدوں میں تفسیر بزبان اُردو ہے- جس میں عام مقاصد تفسیر کے علاوہ مخالفین اسلام کے خیالات کی تردید خوب کی ہے چودھویں صدی کی بہترین کتابوں میں سے ہے-"

(اسلامی انسائیکلوپیڈیا- جلد ۱- صفحہ ۱۹۲- ۱۹۳) +

ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کی تردید

قرآن مجید پر سوامی دیانند جی کے اعتراضات کے جواب!

(۴)

اعتراض ۷ - سوامی دیانند جی لکھتے ہیں :-

"اگر اچھی باتیں سب کی یکساں ہیں تو پھر مسلمانوں میں خصوصیت کچھ نہ رہی اور دوسروں کی اچھی باتیں نہیں مانتے تو متعصب ہیں۔"

الجواب - اچھی باتیں سب کی قابل قبول ہیں۔ اسلامی تعلیم ہے کَلِمَۃُ الحِکْمَۃِ ضَالَّۃُ المُؤْمِنِ اَخَذَھَا حَیْثُ وَجَدَھَا۔ کہ حکمت کی بات مسلمان کی گمشدہ متاع ہے۔ جہاں سے بھی اسے حکمت کی بات مل جائے وہ قبول کر لیگا۔ پس مسلمانوں سے پہلے مذاہب کے لوگوں میں جو اچھی باتیں تھیں اسلام ان کا مخالف نہیں بلکہ ان کو اپناتا ہے۔ اچھی باتیں قائم رکھے جانے کے قابل ہیں۔ اور قرآن مجید فرماتا ہے فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ کہ قرآنی صحیفوں میں دائمی صداقتیں موجود ہیں۔

سوامی جی اس صورت میں "مسلمانوں میں خصوصیت" دریافت فرماتے ہیں۔ سو عرض ہے کہ مسلمانوں کی یہ کیا کم خصوصیت ہے کہ وہ تمام صداقتوں کو مانتے ہیں اور بغیر کسی قسم کے بکش بات کے مانتے ہیں وہ وید، ژند، تورات، زبور، انجیل اور دیگر تمام کتابوں میں بیان شدہ سچائیوں کو بھی مانتے ہیں اور ان کتابوں کے لانیوالوں کو بھی سچا رشی اور مقدس پیغمبر یقین کرتے ہیں۔ کیا یہ خصوصیت نہیں؟ ہندو صرف اپنے رشیوں کو مانتے ہیں اور باقی نبیوں کو جھوٹا قرار دیتے ہیں۔ یہودی اور عیسائی صرف اسرائیل کے گھرانے کے نبیوں کی صداقت کا اقرار کرتے ہیں اور باقی تمام مقدسوں کو کاذب ٹھہراتے ہیں مگر مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہیں جو بلا امتیاز ملک و قوم اور بلا تفریق رنگت و زبان تمام رشیوں، تمام نبیوں اور تمام رسولوں کو خدا کا فرستادہ مانتے ہیں۔ کیا پھر بھی سوامی جی مسلمانوں کی "خصوصیت" کا انکار کرنے میں حق بجانب ہوسکتے ہیں؟

اعتراض ۸ - آیت صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پر اعتراض کرتے ہوئے سوامی جی لکھتے ہیں :-

"جب مسلمان لوگ پہلا جنم اور گذشتہ کئے ہوئے گناہ اور ثواب نہیں مانتے تو بعض لوگوں پر رحمت کرنے اور بعض لوگوں پر نہ کرنے سے خدا طرفدار ٹھہرتا ہے کیونکہ گناہ و ثواب کے بغیر رنج و راحت کا دینا قطعی بے انصافی ہے۔"

الجواب - معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی کے نزدیک صرف گذشتہ جنم کے اعمال ہی قابل بدلہ ہیں۔ اس جنم کے اعمال کے بدلہ کے وہ قائل نہیں۔ آیت میں قرآن مجید کے نزول سے پہلے کی قوموں کا ذکر ہے۔ ان میں سے کچھ افراد اور اقوام نے اپنے نیک کاموں کی وجہ سے انعام حاصل کیا تھا اور کچھ قومیں اپنی بداعمالی کے باعث خدا کے غضب اور سزا کی مستوجب ہوئی تھیں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ

نے دُعا سکھائی ہے کہ ہم انعام پانے والے بنیں گمراہ اور بدعمل ہو کر سزا کے مستحق قرار نہ پائیں۔ اس میں نہ بے انصافی کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی طرفداری کے الزام کا کوئی موقع ہے۔

اعتراض ۹۔ سوامی جی لکھتے ہیں :-

"اس سورۃ کی شرح میں یہ الفاظ درج ہیں کہ یہ سورۃ اللہ صاحب نے آدمیوں کے مُنہ سے کہلائی کہ یہ ہمیشہ اس طرح کہا کریں۔ اگر یہ بات درست ہے تو الف ب حروف بھی خدا نے ہی پڑھائے ہونگے"

الجواب۔ بیشک سورہ فاتحہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بطور دُعا کہنے کیلئے سکھائی ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ابتدائً اللہ تعالیٰ نے ہی زبان سکھائی ہے۔ اسلئے حروف و کلمات اسی نے سکھائے ہیں۔ اگر آریہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سکھانے کے منکر ہیں تو وہ بتائیں کہ ابتدائً انسان کو زبان کس نے سکھائی؟

اعتراض ۱۰! سوامی جی قرآن مجید کے عربی زبان میں نازل کئے جانے پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"عربی زبان میں نازل کرنیسے عرب والوں کو اس کا پڑھنا سہل اور دوسری زبان بولنے والوں کو مشکل ہو جاتا ہے۔ اس سے خدا طرفدار ٹھہرتا ہے اور جس طرح کہ خدا نے کل دُنیا کے رہنے والوں پر نظر انصاف سے سب مُلکوں کی زبانوں سے نرالی سنسکرت زبان میں کہ جو سب ملک والوں کیلئے یکساں محنت سے حاصل ہوتی ہے ویدوں کو نازل کیا ہے ایسی ہی زبان میں اگر قرآن کو نازل کرتا تو یہ نقصان عائد نہ ہوتا"

الجواب۔ سوامی جی نے طرفداری کے اعتراض کو ایشور سے دُور کرتے کرتے اس پر ظلم کا اعتراض وارد کر دیا کہ وہ انسانوں کی ہدایت کیلئے ایسی زبان (سنسکرت) میں کلام نازل کرتا ہے جسے وہ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ آریہ بھائی سوچیں کہ اگر سنسکرت زبان کسی ملک کے رہنے والے انسانوں کی سمجھ میں ہی نہیں آتی تو اس میں کلام نازل کرنا ظلم نہیں؟ نیز یہ بھی سوال ہے کہ پھر انسان اس سنسکرت زبان والے وید کو سمجھتے کس طرح ہیں؟ کیا ایشور کے سمجھانے سے؟ تو پھر وہی الف ب سمجھانے کا اعتراض ہوگا اگر ایسا نہیں تو بتایا جائے کہ سنسکرت کے وید کو انسان نے کس ذریعہ سے سمجھا؟ سنسکرت زبان کو سمجھنے اور بولنے سے آج بھی دُنیا قاصر ہے۔ معدودے چند اس کے عالم ہیں۔ اندریں صورت اس میں عالمگیر کلام کا نزول صریح بے انصافی نظر آتی ہے۔ بے شک قرآن مجید کے عربی میں نزول سے اہلِ عرب کو دوسرے ملکوں کے لوگوں کی نسبت زیادہ سہولت ہے۔ مگر انسان انسان کو سکھاتا ہے اور انسان انسان سے سیکھتا ہے اس لحاظ سے عربی زبان میں نازل ہونے میں کوئی بے انصافی نہیں۔ ہاں قرآنی اصل لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے مطابق ہر شخص اپنی سمجھ اور عقل کے لحاظ سے اتمام حجت کے بعد قابلِ مواخذہ ہوگا۔ لہذا کسی پر کسی نوع کا ظلم نہ ہوگا۔ اور یوں عربی زبان چونکہ ام الالسنہ ہے سب زبانوں کی ماں ہے اسلئے سارے جہان کے لئے نازل ہونیوالی کتاب مفہوم زبانوں میں سے عربی زبان میں ہی نازل ہونی چاہئے تھی۔

قرآنی ایمانیات

اسلامی عقائد از روئے قرآن مجید

عقیدہ انسان کی قوتِ عمل کا راز ہے۔ عقیدہ کے لغوی معنے انسان کا وہ دلی خیال ہے جس پر اسے ایسا اطمینان اور یقین حاصل ہو کہ وہ اس سے منحرف ہونے کیلئے تیار نہ ہو۔ "ما عقد علیہ القلب والضمیر... والاعتقاد: اطمئنان القلوب علی شیءٍ ما یجوز ان ینحل عنہ" جب کسی فرد یا قوم کو اپنے عقائد پر یقین نہیں رہتا تو وہ منہ سے تو ان عقاید کا اقرار کرتے ہیں لیکن ان عقائد کے مطابق انکا عمل اور انکی قربانی نہیں ہوتی۔ اور یہ انکی موت کی علامت ہوتی ہے۔ پس قوموں کی زندگی اور موت کا اصل تعلق انکے صحیح عقائد سے ہوتا ہے اور ان عقائد پر یقین سے ہوتا ہے۔

قرآن مجید تمام مسلمانوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا قطعی اور یقینی کلام ہے۔ ان میں باہم ہزار اختلاف ہوں۔ حدیثوں اور تفسیروں کے بارہ میں ان میں صدہا نزاع ہوں لیکن وہ سب اس بارے میں متفق ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا یقینی کلام ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی شک اور شبہ نہیں ہے۔ اس لحاظ سے مسلمان فرقوں کے اعتقادی نزاع کا فیصلہ قرآن مجید سے ہی ہو سکتا ہے۔ اور غیر مسلموں کے سامنے اسلامی عقائد قرآن مجید کے رُو سے ہی پیش کئے جا سکتے ہیں۔ پس اسلامی عقائد کے جاننے اور پرکھنے کیلئے قرآن مجید ہی محک اور کسوٹی ہے۔ جو عقیدہ بھی قرآن مجید سے ثابت نہ ہو وہ اسلامی عقیدہ قرار نہیں پا سکتا۔ اور جس عقیدہ کے خلاف قرآن مجید میں تصریح موجود ہو اسکے غلط اور غیر اسلامی ہونے میں کسی شُبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اسوقت مسلمانوں کے متعدد فرقے ہیں اور ہر فرقہ اپنے عقائد کو اسلامی اور دوسروں کے عقائد کو غیر اسلامی قرار دیتا ہے اور یوں مجموعی حیثیت میں حالت نہایت ابتر ہے۔ روزنامہ زمیندار رقمطراز ہے کہ:-

"ملوکیت کے جراثیم مسلمانوں میں سرایت کر جانے کا سب سے بڑا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے تبلیغِ دین سے مُنہ موڑ لیا۔ اور لہو و لعبِ دنیوی میں کچھ اس بُری طرح گرفتار ہوئے کہ تو بہ ہی بھلی۔ ان بادشاہوں نے تبلیغِ حق تو در کنار حق کے پرستاروں پر وہ ستم ڈھائے کہ آج انکے ذکر تک سے کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ ہند و پاکستان میں بسنے والے مسلمان نام کے مسلمان رہ گئے ورنہ عقائد کے لحاظ سے ان میں اور غیر مسلموں میں کوئی فرق نہ رہا۔" (زمیندار ۱۰ نومبر ۱۹۵۱ء)

گویا اسوقت ایک لحاظ سے مسلمان وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَارَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا کے مصداق ہو رہے ہیں۔ پس مسلمانوں کی اصلاح اور انکی تقویت کا راز اسی میں ہے کہ وہ اپنے خود ساختہ اور غیر اسلامی عقائد کو چھوڑ کر اسلامی اور قرآنی عقائد کو اختیار کریں۔

یوں تو قرآن مجید کا ہر حرف اور ہر لفظ موجبِ ہدایت ہے اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ مگر اصولی طور پر قرآن مجید نے

چند امور کو بنیادی ایمانیات قرار دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

(۱) اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ قف لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ (بقرہ ۲۸۵)

ترجمہ :- رسول بھی اس پر ایمان لایا جو اسکے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوا اور مومن بھی ایمان لائے سب ایمان لائے اللہ پر، اسکے فرشتوں پر، اسکی کتابوں پر اور اسکے رسولوں پر۔ ہم اسکے رسولوں میں کوئی تفرقہ نہیں کرتے نیز مومنوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اے رب ہم تیری طرف سے مغفرت چاہتے ہیں اور ہمارا ٹھکانہ تیرے پاس ہے۔

(۲) لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ج وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا ج وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (بقرہ ۱۷۷)

ترجمہ :- یہی کامل نیکی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو۔ بلکہ اصل نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ[۱]، یوم آخر یعنی قیامت[۲]، فرشتوں[۳]، کتاب[۴] اور نبیوں[۵] پر ایمان لاتا ہے۔ اور پھر اپنا مال اللہ کی محبت میں رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوالیوں اور گردنوں کے آزاد کرنے میں خرچ کرتا ہے۔ نیز نماز قائم کرتا ہے۔ زکوٰۃ دیتا ہے۔ پھر وہ لوگ اپنے عہدوں کی پابندی کرتے ہیں اور آفات و امراض اور جنگ کے وقت صبر و استقلال سے کام لیتے ہیں۔ یہ سچے مومن اور متقی ہیں"۔

ان آیات سے ظاہر ہے۔ کہ قرآن مجید کے نزدیک اجمالی اور اصولی طور پر ایمانیات پانچ ہیں :-

(۱) اللہ تعالیٰ (۲) اس کے فرشتے (۳) اسکی کتابیں (۴) اسکے رسول (۵) یوم آخر یا قیامت۔

ان پانچوں ایمانیات پر تفصیلی طور پر ایمان ازروئے قرآن مجید کی حقیقت کیا ہے۔ اس کا فیصلہ بھی قرآن مجید خود کرتا ہے۔ کیونکہ ان امور خمسہ پر اجمالی ایمان کا دعویٰ تو سب کرتے ہیں فرق تفصیل میں پڑتا ہے ۔

(باقی)

قصیدةٌ عربیةٌ

فی مدح القرآن الکریم

(للأستاذ الفاضل ظفر محمد استاذ الآداب بالجامعة الاحمدیة)

أیا من أحاط الکائنات برحمة
وأحیا قلوب العاشقین بجلوة
فلولا تجلیک المساعد ربنا
لکنا حیاری فی غیاهب ذلمة
لذاب المحبوك المساکین کربة
إذا لم تدارکهم بلطف الرسالة
وأنزلت قرآنا عظیما برحمة
ونجیت خلقك من ظلام الضلالة
وأودعت فیه کل علم وحکمة
وفصلت تفصیل التقی والهدایة
فأنجیتنا من کل ما هو مهلك
وبصرتنا نهج الهدی والسلامة
یسمون بالناس ولا أنس بینهم
یمزق کل غیره کالفریسة
فأنزلت ذا القرآن نورا وحکمة
وأحییت أموات القرون بجلوة
إذا ما طلبت الخیر فالخیر عنده
ألا إنه مفتاح خیر وبرکة
وما إن مدحتك یا حبیب بکلمتی
ولکن بمدحك قد مدحت قصیدتی

احادیثِ نبویہ کی رُو سے ارتداد کی سزا کا ماخذِ قرآنی!

حکومت صرف بر سرِ پیکار اور باغی مرتدین کو سزا دینے کی مجاز ہے!!

جناب مودودی صاحب کے غلط استدلال کا حدیثِ نبویؐ سے جواب

(نوشتہ جناب قاضی محمدؐ نذیر صاحب فاضل پروفیسر جامعہ احمدیہ)

ذیل کا تحقیقی مقالہ قرونِ وسطیٰ کے علماء کی ایک غلط تفسیر کے ازالہ کی حیثیت سے نہایت اہم مقالہ ہے۔ قرآن مجید نے حریتِ فکر کا جو علم بلند کیا ہے اور مذہبی عقائد کو دلیل اور برہان پر مبنی قرار دیکر جو اعتقادی آزادی دی ہے اُسے علماء کے اِس خود ساختہ نظریہ نے (کہ ہر اعتقادی مرتد واجب القتل ہے) بہت مخدوش کر رکھا تھا۔ مغربی لوگ مولویوں کے اِس نظریہ کی وجہ سے اسلام پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں مگر یہ ان لوگوں کی سخت غلطی ہے۔ اسلام اِس قسم کے غلط خیال سے پاک ہے۔ اسلام مسلمانوں کو صرف ان غیر مسلموں سے جنگ کرنے اور انہیں قتل کرنیکی اجازت دیتا ہے جو جنگ کی ابتداء کرتے ہیں اور مسلمانوں کو محض مسلمان ہونیکی وجہ سے مظالم کا نشانہ بناتے ہیں۔ ایسے غیر مُسلم خواہ پہلے سے ہی کافر ہوں خواہ بعد میں اسلام کو ترک کر کے کفر اختیار کریں یکساں ظالم ہیں اور مستحقِ سزا ہیں کیونکہ دونوں یکساں دشمن ہیں۔ گویا اسلام صرف محارب کافر اور محارب مرتد کی سزا کا اسلامی حکومت کو اختیار دیتا ہے۔ ہاں اسلامی نقطۂ نگاہ سے محض اعتقادی مرتد کو سزا دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے جسکی نظر دلوں پر بھی ہے۔ حکومت ظاہری جرائم پر گرفت کرنیکی مجاز ہے۔ دل کے خیال، نیت اور اعتقاد پر اسے سزا دینے کا اختیار نہیں یہ صرف علام الغیوب خدا کا کام ہے اور اسکے لئے اس نے قیامت کا دن مقرر کر رکھا ہے۔

جناب مولوی ابو الاعلیٰ صاحب مودودی عصرِ حاضر کے ان چند علماء میں سے ایک ہیں جو آج بھی محض اعتقادی مرتد کے قتل کے حامی ہیں۔ ہمارے فاضل مضمون نگار نے اپنے مقالہ میں مسئلۂ قتلِ مرتد کا ایک قطعی حل پیش فرمایا ہے (اور غالباً اس انداز سے یہ پہلا مضمون ہے) کہ حدیث نبویؐ سے مرتدین کی سزا کے قانون کا قرآنی ماخذ متعین کر کے بتایا ہے کہ یہ سزا جو حکومت دے سکتی ہے وہ صرف بر سرِ پیکار اور باغی مرتد کیلئے مقرر ہے نہ کہ ہر اعتقادی مرتد کیلئے۔ امید ہے کہ محترم جناب قاضی صاحب کا مقالہ قرآن مجید کے متعلق ایک خطرناک غلط فہمی کا ازالہ کرنے میں کامیاب ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ! ـــــــــ (ایڈیٹر)

اس امر میں کسی مسلمان کو کلام نہیں کہ سید الانبیاء فخر المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بیان کردہ تمام

شرعی قوانین کا ماخذ در اصل اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید ہی ہے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں بیان فرمایا ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى کہ آپ کا نطق (بیان) امور شرعیہ میں اپنی کسی نفس کی خواہش کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ آپ کا نطق و بیان صرف اس وحی کی روشنی کے ماتحت ہوتا ہے جو آپ پر نازل کی جاتی ہے۔ پس گو ہمیں اپنی کم علمی، بے بضاعتی اور نا سمجھی کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کسی قول اور فعل کا اصل ماخذ قرآن مجید میں نہ مل سکے لیکن بہرحال یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ آپ کے احکامِ شرعیہ کا ماخذ بالضرور قرآن مجید ہی ہے۔ لہذا احادیثِ صحیحہ میں بیان شدہ امورِ شرعیہ کا ماخذ قرآنی اگر ہم اپنے قصورِ فہم یا قلتِ تدبر یا کمیِ علم کی وجہ سے دریافت نہ کر سکیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ نے (معاذ اللہ) کوئی شرعی حکم قرآن مجید کے خلاف دیا ہے۔ ایک مسلمان تو یہ ناپاک خیال کبھی اپنے دل میں نہیں لا سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر قرآن مجید نازل ہی اس لئے ہوا ہے کہ آپ اپنے اقوال و افعال سے اس کی تفسیر فرما دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں آپ کی شان میں فرماتا ہے۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ کہ ہم نے قرآن مجید تم پر اتارا ہے تاکہ تم اسے لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان فرما دو جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ پس ایک سچے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اقوال و افعال کو قرآن مجید کی قولی اور عملی تفسیر یقین کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جن اقوال کا ماخذ ہمیں صاف اور واضح لفظوں میں نہ ملتا ہو ان کی جستجو میں علمائے کرام اور فقہائے اسلام کے درمیان اختلاف ہو سکتا ہے کہ کوئی کسی قول کا ماخذ کسی آیتِ قرآنیہ کو قرار دے اور کوئی کسی دوسری آیت قرآنیہ کو۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جس حکم اور قول کا ماخذ قرآنی خود آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے ثابت ہو جائے اس کے خلاف کسی شخص کو قرآن مجید سے کسی اور ماخذ کے تجویز کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

پس اگر کسی شرعی قانون اور حکم کا ماخذ قرآنی خود آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان اور بیان سے ثابت اور متعین ہو جائے تو ایک محقق اور متدین عالم اور فقیہہ کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اسی ماخذ کی روشنی میں اس مسئلہ کو سمجھنے اور بیان کرنے کی کوشش کرے۔ اس کو یہ حق ہرگز نہیں پہنچتا کہ اس اصلی ماخذ کو تو چھوڑ دے اور اپنے مزعوم خیال کی تائید کے لئے اسکے برخلاف کوئی اور ماخذ تجویز کرے۔

اصول فقہ میں یہ اصل مسلّم ہے کہ اجمالی حکم تفصیلی حکم کی روشنی میں تسلیم کرنا چاہیئے۔ اور اگر ایک جگہ کوئی حکم مطلق ہے اور دوسری جگہ اس کی کوئی قید مذکور ہے تو مطلق حکم مقیّد کی

صورت میں تسلیم کیا جانا چاہیئے۔ ان اصولوں کو نظر انداز کرنا نہ کسی محقق کا کام ہے اور نہ ان کو مدنظر رکھے بغیر ہم کسی شرعی مسئلہ کی صحیح اور اصلی صورت اور حقیقت پا سکتے ہیں۔

مجھے افسوس ہے کہ مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اپنے رسالہ "مرتد کی سزا اسلامی قانون میں" میں اس مضمون پر بحث کرتے ہوئے ان اصولوں کو ہرگز مدنظر نہیں رکھا بلکہ اس بارے میں بحث کرتے ہوئے مرتد کی سزا کے متعلق جہاں بہت سی دوسری احادیث درج کی ہیں وہاں اس حدیث کو قارئین کے سامنے نہیں آنے دیا جو مرتد کی سزا کی **اصلی وجہ** اور اس کے متعلق **مأخذ قرآنی** کو بیان کرتی ہے۔ انہوں نے صرف وہ حدیثیں پیش کر دی ہیں جن میں اس مسئلہ کے متعلق اجمالاً ایک حکم بیان کر دیا گیا ہے جبکہ اس حکم کا مأخذ اصلی اور اس حکم کی تفصیلی وجہ دوسری جگہ پر مذکور ہے۔ مثلاً انہوں نے ذیل کی دو حدیثیں نسائی سے لی ہیں۔

(۱) سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یقول لا یحل دم امرئٍ مسلمٍ الا
باحدی ثلاث رجل کفر بعد
اسلامہ او زنی بعد احصانہ او
قتل نفساً بغیر نفسٍ۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے بجز تین صورتوں کے۔ ایک یہ کہ کوئی شخص اسلام لانے کے بعد کافر ہو گیا ہو۔ دوسرے یہ کہ شادی شدہ نے زنا کیا ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ کسی کو قتل کرے بغیر اس کے کہ جان کے بدلے جان لینے کا حق اُسے حاصل ہو چکا ہو۔

(۲) سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یقول لا یحل دم امرئٍ مسلمٍ الا
باحدی ثلاث رجل زنی بعد
احصانہ فعلیہ الرجم او قتل عمداً
فعلیہ القود او ارتد بعد اسلامہ
فعلیہ القتل۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں بجز تین صورتوں کے۔ (۱) یہ کہ کوئی شخص شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرے وہ رجم کیا جائے گا۔ (۲) یہ کہ عمداً کسی کو قتل کرے اس سے قصاص لیا جائے گا۔ (۳) یہ کہ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا ہو اس کی سزا قتل ہے۔

جناب ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے یہ دونوں حدیثیں نسائی سے درج کی ہیں مگر انہوں نے ابوداؤد کی ذیل کی حدیث کو اپنے رسالہ میں بالکل درج نہیں کیا حالانکہ یہ حدیث اس مسئلہ کی جان ہے۔ ہاں ابوداؤد سے اس سے پہلے اور بعد کی احادیث انہوں نے درج کر دی ہیں۔ اس حدیث کو انہوں نے اسلئے درج نہیں کیا کہ اس میں اس مسئلہ کی تفصیل موجود تھی۔ نیز اس کا مأخذ قرآنی بھی مذکور ہے۔ اور یہ حدیث ان کے اس خیال کے صریح خلاف تھی اور اسے بیخ و بُن سے اکھاڑ رہی تھی کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
یحل دم امرئ مسلم یشهد ان لا الٰہ
الّا اللہ وانّ محمداً رسول اللہ الّا باحدیٰ
ثلاث رجل زنیٰ بعد احصانہ فانّہ
یرجم ورجل خرج محاربًا للہ ورسولہ
فانّہٗ یقتل او یصلب او ینفی من
الارض او یقتل نفسًا فیقتل بها۔

(ابوداؤد باب الحکم فیمن ارتدّ جلد ۲ صفحہ ۲۱۹ مطبوعہ مصر)

"حضرت اُمّ المومنین (معلّمہ نصف الدین) عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کا جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالےٰ کے سوا معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے رسول ہیں خون کرنا حلال نہیں بجز تین صورتوں کے۔ ایک صورت یہ ہے کہ ایک آدمی شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرے۔ اسے رجم کیا جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کے لئے نکلے۔ وہ یا تو قتل کیا جائے گا یا صلیب دیا جائے گا یا جلا وطن و قید کیا جائیگا تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی کسی کو قتل کرے وہ اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔"

اب جناب مودودی صاحب کی پیش کردہ دونو حدیثوں کو سامنے رکھ کر حدیث کو دیکھو تو صاف ظاہر ہے کہ ان تینوں حدیثوں میں ایک ہی بات بیان ہوئی ہے کہ تین صورتوں کے سوا کسی مسلمان کا قتل جائز نہیں ہے۔ ان احادیث میں صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے۔ مودودی صاحب والی پیش کردہ حدیثوں میں ایک صورت مرتد کے قتل کی بیان ہوئی ہے اور حضرت اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں مرتد کے لفظ کی بجائے اس جگہ خرج محاربًا للہ ورسولہ کے الفاظ آتے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مرتد کی سزا کے متعلق یہ تفصیل بیان ہوئی ہے کہ وہ محارب ہو کر نکلے یعنی اسلام کو چھوڑنے کے بعد محارب ہو جائے یا محارب لوگوں سے جا ملے۔ تو پھر واجب القتل ہوگا۔ سزا کی مزید تفصیل اس حدیث میں یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ ایسے محارب مرتد کی سزا محض قتل ہی نہیں بلکہ اس سزا کی تین صورتیں ہیں۔ یا اسے قتل کیا جائے یا صلیب دیا جائے یا جلا وطن و قید کیا جائے آخر الذکر دونوں صورتیں نفی من الارض کی ہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رجل خرج محاربًا للہ ورسولہٗ الخ کے الفاظ میں مرتد حربی کی سزا کے ماخذ قرآنی کا بھی ان الفاظ میں ذکر فرما دیا ہے۔ قرآن مجید میں یہ مضمون ذیل کی آیت میں ملتا ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ
فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا
اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ
مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ

(سورہ مائدہ ع ۵)

کہ "سزا اُن لوگوں کی جو اللہ اور رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا صلیب دیئے جائیں یا مخالف جانب سے اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں یا جلا وطن و قید کئے جائیں۔"

حضرت اُمّ المومنین عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بیان کردہ سزا کا ماخذِ قرآنی صرف یہی ایک آیت ہے جو اُوپر درج کی گئی ہے۔ اور اس سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک از روئے تعلیم قرآنی صرف حربی مرتد ہی واجب القتل ہے نہ کہ مطلق مرتد۔ چونکہ یہ حدیث مودودی صاحب کے اس خیال کو بیخ و بُن سے اُکھاڑتی تھی کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل ہے اس لئے انہوں نے اپنے رسالہ میں عمداً اُسے درج نہیں فرمایا تاکہ یہ ان کے سارے کئے کرائے پر پانی نہ پھیر دے۔ کیونکہ اس حدیث کی موجودگی میں ان کے بیان کی ساری عمارت جو انہوں نے محض ارتداد کی سزا اسلام میں قتل ثابت کرنے کے لئے کھڑی کی تھی زمین سے پیوست ہو جاتی تھی اور ان کے بیان کا سارا تار و پود اس سے بکھر جاتا تھا اسلئے انہوں نے اس حدیث کو اپنے رسالہ کے ناظرین کے سامنے نہیں آنے دیا۔ کیونکہ اس سے مرتد کی سزا قتل صرف محارب کے لئے ثابت ہوتی تھی اور وہ بھی قرآنی نص اور ماخذ کی روشنی میں۔ لہذا اس ماخذِ قرآنی کو تو انہوں نے سامنے نہیں آنے دیا۔ بلکہ انہوں نے اپنے ناظرینِ رسالہ کی تسکین کی خاطر اور محض ارتداد کی سزا اسلام میں قتل ثابت کرنے کے لئے ایک اور ماخذ قرآن مجید سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ماخذ کے مقابلہ میں تجویز کرنیکی کوشش کی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے ایجاد کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:۔

"ذرائع معلومات کی کمی کی وجہ سے جن لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ ہے کہ شاید اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہ ہو اور بعد میں مولویوں نے یہ چیز اپنی طرف سے اس دین میں بڑھا دی ہو ان کو اطمینان دلانے کیلئے یہاں مختصراً اس کا ثبوت پیش کرتا ہوں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ۝"

(سورہ توبہ ع ۲)

اس آیت کا صحیح ترجمہ سیاقِ کلام کے لحاظ سے یہ ہے کہ مشرکین اگر کفر و شرک سے توبہ کر کے نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اُن سے کچھ تعرض نہیں ہونا

چاہیئے) اور اسی طرح ہم اپنے احکام علم رکھنے والے لوگوں کیلئے کھول کر بیان کرتے ہیں۔ اور اگر یہ لوگ اپنی قسموں کو توڑ دیں بعد اس کے کہ انہوں نے (ان قسموں کے ساتھ) مسلمانوں سے معاہدہ کر رکھا تھا اور تمہارے دین میں طعن کریں تو پھر ان مشرکین لیڈروں سے جنگ کرو کیونکہ ان کا کوئی عہد نہیں۔ یہ جنگ اسلئے کرو کہ وہ (اپنی دشمنی سے) باز آجائیں۔

اِن آیات کا سیاقِ کلام معلوم کرنے کے لئے اس رکوع کے شروع کی آیت ملاحظہ ہو جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

کہ مشرکین اللہ اور رسول سے عہد کر کے اس پر کس طرح قائم رہ سکتے ہیں۔ ہاں جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے پاس (یعنی صُلح حدیبیہ میں) عہد کیا ہے جب تک وہ تمہارے لئے عہد پر قائم رہیں تم بھی اُن کے لئے عہد کو قائم رکھو بیشک خدا تعالیٰ تقویٰ شعار لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مشرکین کے معاہدات کے متعلق یہ مضمون بیان ہو رہا ہے۔ اور مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ مشرکین تمہارے دشمن ہیں اور ان کے دل تمہاری طرف سے صاف نہیں لیکن جن سے تمہارا معاہدہ مسجد حرام کے پاس یعنی صلح حُدیبیہ میں ہو چکا ہوا ہے جب تک وہ اس عہد کے پابند رہیں تم بھی عہد کے پابند رہو۔

مودودی صاحب کی پیش کردہ آیت میں آگے چل کر یہ بیان ہوا ہے کہ اگر یہ مشرکین جن سے تمہارا مسجد حرام کے پاس عہد ہو چکا ہے (مشرکینِ مکّہ کی طرح) توبہ کر کے ایمان لے آئیں اور زکوٰۃ دیں تو یہ تمہارے دینی بھائی بن جائینگے لیکن اگر یہ اس قسموں والے معاہدہ کو جو انہوں نے مشرکین مکّہ کے ساتھ مل کر کیا تھا توڑ دیں تو پھر ان سے جنگ کیجائے تاکہ یہ اپنی دشمنی سے باز آجائیں۔

مودودی صاحب والی پیش کردہ آیت کے بعد مضمون یوں چلتا ہے:۔

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور رسول کو (مدینہ منورہ سے) نکالنے کا ارادہ کیا۔ اور انہوں نے تم سے دشمنی میں پہل کی ہے۔ کیا تم اُن سے ڈرتے ہو۔ پس اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

یہ سب آیات مدینہ منورہ اور اُس کے نواح کے مشرکین کے متعلق ہیں جو مشرکین مکّہ کے ساتھ صلح حُدیبیہ کے معاہدہ میں شریک تھے۔ مگر ان میں سے بعض نے معاہدہ کی خلاف ورزی

کی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جبکہ آپ مدینہ سے باہر ایک جنگ پر گئے ہوئے تھے نکال دینا چاہا اور اس طرح دشمنی میں پہل کی۔ ان سے خدا تعالیٰ مسلمانوں کو جنگ کرنیکی تلقین فرما رہا ہے۔ ان آیات کا تعلق مشرکین مکہ سے نہیں کیونکہ یہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ قریش مکہ تو اُسوقت مسلمان ہو چکے ہوئے تھے۔ اب دیکھ لیجئے ان آیات میں نہ کسی کے ارتداد عن الاسلام کا ذکر ہے اور نہ ارتداد عن الاسلام کی کسی سزا کا ذکر ہے۔ مگر جناب ابو الاعلیٰ صاحب کا علم و فضل ملاحظہ ہو کہ انہوں نے بیک جنبشِ قلم اپنی پیشکردہ آیت کے حصہ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ کو اسلام سے مرتد ہونے والے کے متعلق قرار دیدیا ہے۔ اور اس کے اگلے الفاظ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ سے مرتد کی سزا قتل اخذ کر لی ہے۔ چنانچہ آپ اپنے رسالہ میں اس کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں:۔

"لیکن اگر وہ عہد (یعنی قبول اسلام کا عہد) کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں"

پھر اس ایجاد کردہ ترجمہ کی تفسیر یوں لکھتے ہیں:۔

"یہاں عہد شکنی سے مراد کسی طرح بھی سیاسی معاہدات کی خلاف ورزی نہیں لی جاسکتی۔ بلکہ سیاق عبارت صریح طور پر اس کے معنی اقرار اسلام سے پھر جانا متعین کر دیتا ہے اور اس کے بعد فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتے کہ تحریک ارتداد کے لیڈروں سے جنگ کی جائے۔"

اچھا جناب مودودی صاحب! اگر اس جگہ کسی سیاسی معاہدہ کے توڑنے کا ذکر نہیں تو پھر آپ یا آپکا کوئی ساتھی اتنا تو بتائے کہ مسلمانوں سے ان کا المسجد الحرام کے پاس جو معاہدہ ہوا تھا وہ کونسا تھا؟ اگر یہ صلح حدیبیہ کا ہی معاہدہ تھا تو کیا اس میں کفار اور مشرکین نے قسمیں کھا کر یہ عہد کیا تھا کہ وہ اسلام قبول کر لیں گے یا پُر امن رہنے کے متعلق کوئی سیاسی معاہدہ ہوا تھا؟ اگر صلح حدیبیہ کے وقت مشرکین نے قبولِ اسلام کا معاہدہ کیا ہوتا تو پھر البتہ مودودی صاحب کے معنی درست ہو سکتے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مشرکین کا معاہدہ اس موقع پر قبولِ اسلام کا نہ تھا۔ لہذا اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ میں بھی صلح حدیبیہ والے معاہدہ کو توڑنے کی صورت میں ان سے جنگ کرنیکا حکم دیا گیا ہے، اسلام قبول کرنے کے معاہدہ کو توڑنے کا سیاق و سباق کے لحاظ سے اس جگہ کوئی ذکر نہیں۔

اگر مودودی صاحب کہیں کہ انہوں نے صرف اِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ کے سیاق سے یہ معنی اخذ کئے ہیں کہ اگر اس توبہ اور ایمان کے بعد وہ اپنے اس قسموں والے عہد کو یعنی توبہ کو توڑ دیں تو ان سے جنگ کی جائے تو یہ معنے اِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ والے رکوع کی ابتدائی آیت کے خلاف ہیں۔ وہ آیت بتاتی ہے کہ اس جگہ مشرکین کے متعلق احکام بیان ہو رہے ہیں،

جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہوا ہے۔ نیز ان مشرکین کا ذکر ہو رہا ہے جنہوں نے مسجد حرام کے پاس مسلمانوں سے عہد کیا تھا۔ ان کے متعلق یہ احکام بیان ہو رہے ہیں کہ اگر یہ توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں ان سے کچھ تعرض نہ ہوگا لیکن اگر یہ عہد شکنی کریں تو پھر ان سے جنگ کی جائے تا یہ دشمنی سے باز آجائیں۔ نیز قسمیں کھا کر توبہ کرنے کا تو ذکر نہیں تھا کہ اس کا توڑنا مراد ہو۔ قسموں والا معاہدہ تو سیاسی ہی تھا۔

پس اس آیت میں ہرگز مرتدین عن الاسلام یا انکی سزا کا ذکر نہیں۔ یہ صرف مودودی صاحب کا دماغی تصرف اور ایجاد محض ہے کہ وہ اس آیت کے خلاف سنتا سے متکلم اور خلاف واقعات معنے گھڑ رہے ہیں۔

مودودی صاحب کی پیش کردہ آیت سے بعد کی آیت بھی بتاتی ہے کہ اس کا تعلق مرتدین سے نہیں ہے بلکہ اُن مشرکین سے ہے جنہوں نے آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ سے اخراج کی سازش کی اور عہد کو توڑ کر دشمنی میں پہل کی تھی

افسوس کا مقام ہے کہ جناب ابو الاعلیٰ صاحب نے حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماخذِ قرآنی کو تو اپنے رسالہ میں پیش نہیں کیا۔ کیونکہ وہ اُن کے مفاد کے خلاف تھا اور کیونکہ اس کے لحاظ سے صرف محارب مرتد کو قتل وغیرہ کی سزا دی جاسکتی ہے لیکن اس ماخذ کے برخلاف خود ایک ماخذ ایجاد کرنے کی کوشش کی ہے تا ناظرین رسالہ کو یہ دکھا سکیں کہ دیکھو قرآن مجید میرے خیال کا مؤید ہے اور وہ محض ارتداد کی سزا قتل قرار دیتا ہے۔ پس انکا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ ماخذ کے خلاف ماخذ ایجاد کرنا نہایت ہی قابلِ افسوس بات ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔

گر ہمیں مکتب است و ایں مُلّا
کارِ طفلاں تمام خواہد شُد

ماحصل اس بحث کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تفصیلی حدیث کی روشنی میں جو حضرت اُمّ المومنین عائشہ الصدّیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے محض ارتداد عن الاسلام کی سزا قتل نہیں ہے بلکہ صرف محارب مرتد کو ہی قتل کی سزا دی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (کہ مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کردو) میں صرف محارب مشرکین کی سزا قتل بیان کی گئی ہے نہ کہ ہر مشرک کی خواہ وہ غیر محارب اور ذمی ہو۔ اسی طرح از رُوئے نص حدیث جو نصِ قرآنی سے ماخوذ ہے وہی مرتد واجب القتل یا واجب الصلیب یا جلاوطنی و قید کی سزا کا مستوجب ہے جو محارب ہو۔ جرائم کی نوعیت کے اختلاف کے لحاظ سے امام اُسے ان سزاؤں میں سے کوئی سزا دے سکیگا۔

پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس مرتد کی سزا قتل بیان فرمائی ہے جو محارب ہو تو پھر اس کے خلاف کسی کا قول و فعل حجت نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قانون کی موجودگی میں خلفائے راشدین کے زمانہ میں جو مرتدین قتل ہوئے ہیں وہ محارب ہونیکی وجہ سے ہی قتل کئے

گئے ہیں۔ خلفائے راشدین کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ قانونِ شرعی کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس قانون کی موجودگی میں کسی غیر مستند یا کسی مجمل تاریخی واقعہ کو اس بات کے ثبوت میں پیش نہیں کیا جا سکتا کہ خلفائے راشدین میں سے کسی نے محض ارتداد کی بناء پر قتل کی سزا دی بلکہ انہوں نے جن مرتدین سے قتال کیا ہے یا اُنہیں قتل کی سزا دی ہے وہ ایسے ہی لوگ تھے جو حکومت کے باغی تھے اور بغاوت کے جُرم کی بناء پر اُنہیں ایسی سزا دی گئی۔ محض ارتداد کی سزا کفر کی سزا کی طرح صرف خدا تعالےٰ دیتا ہے۔ ہاں جس طرح باغی کافر کو قتل کی سزا دی جا سکتی ہے ویسے ہی باغی مرتد کو بھی قتل کی سزا دی جا سکتی ہے۔ باغی محارب کے حکم میں ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ اصحابِ عرینہ کا واقعہ بھی اسی بات کا مؤید ہے کہ صرف حربی مرتدین کی سزا ہی قتل ہے اور قرآن مجید میں اَلَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کی آیت کا شانِ نزول عرنیوں کے قتل کئے جانے کا واقعہ ہی ہے جو مرتد ہو گئے تھے اور پھر انہوں نے حکومت کا قانون توڑ کر ایک مسلمان کو قتل بھی کیا تھا اور اونٹ بھی لُوٹ کر لے گئے تھے۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کے پیچھے آدمی بھیجے تو یہ لوگ پکڑے گئے اُن کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ انہیں کے بارے میں محاربہ والی آیت نازل ہوئی۔ (یعنی آیت اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔)

ابو الزناد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اونٹنیاں چرانے والوں کا قطع (ہاتھوں پاؤں کا) کیا اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیری۔ عاتبہ اللہ تعالےٰ فی ذٰلک فانزل اللہ تعالیٰ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا ...... الآیۃ (ابوداؤد باب المحاربہ) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا تعالیٰ ناراض ہوا اور اس نے یہ آیت اُتاری کہ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے والوں اور زمین میں فساد اور بدامنی پیدا کرنے والوں کی یہ سزا ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا صلیب دیئے جائیں یا مخالف جانب سے اُن کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں یا جلا وطن کئے جائیں۔

اِس سے ظاہر ہے کہ گو اِس آیت کا حکم عام ہے اور ہر محاربہ سے اِس کا تعلق ہے مگر اس آیت کا بالخصوص شانِ نزول اصحابِ عرینہ کا واقعہ ارتداد اور محاربت ہی ہے۔ پس یہ آیت اپنے شانِ نزول کے لحاظ سے حربی مرتدین کی سزا سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں فرمایا کہ کسی مسلمان کا خون گرانا حلال نہیں جو اللہ کے معبود ہونے اور میرے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہے بجز تین صورتوں کے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی شادی شدہ زنا کرے وہ رجم کیا جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ محارب ہونے کی صورت میں خروج کرے (یا اسلام سے نکلے) ایسا آدمی قتل

کیا جائے گا یا صلیب دیا جائے گا یا جلا وطن و قید کیا جائیگا
تیسری صورت یہ ہے کہ کسی آدمی کو قتل کرے تو اس کے بدلے قتل کیا جائے گا۔

چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ارتداد اختیار کرنے والے بالعموم محارب کافروں سے مل کر محارب ہی بن جاتے تھے اسلئے امکان ہے کہ بعض اوقات صرف مرتد کا ذکر کر کے آپ نے اس کی سزا قتل بیان کر دی ہو۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد ہمیشہ اس سے یہی تھی کہ محارب مرتد واجب القتل ہے۔ چنانچہ اسی لئے خود آپ نے اپنے مقدس کلام یعنی حضرت اُمّ المومنین عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں اس کی تصریح فرما دی ہے کہ محارب مرتد ہی واجب القتل ہے نہ کہ مطلق مرتد۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

صرف چار خطوط میں سے!

(۱) جناب ڈاکٹر ایس۔ اے صوفی سرگودھا لکھتے ہیں:۔ "آپ کا رسالہ علمی معلومات کا خزانہ ہے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اس کام کی توفیق آپ کو بخشی۔"

(۲) پریذیڈنٹ صاحب جماعت احمدیہ کنڈیارو سندھ لکھتے ہیں:۔ "رسالہ الفرقان کی افادیت اور مقبولیت کی یہ حالت ہے کہ میں سالانہ نمبر لاری میں بیٹھا پڑھ رہا تھا کہ ایک سندھی معزز تعلیمیافتہ دوست نے دیکھ کر پسند کرتے ہوئے اسیوقت پانچ روپے دیکر خریدار بن گئے۔"

(۳) قریشی عبدالمجید صاحب ایم۔ اے سابق پروفیسر علیگڈھ یونیورسٹی تحریر فرماتے ہیں:۔ "ایک عزیز کی عنایت سے الفرقان کی جلد اول کے نمبر ۳ و ۴ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میں آپکو اس رسالے کے اجراء پر مبارکباد دیتا ہوں۔ جس کاوش اور تحقیق سے مضامین لکھے گئے ہیں، وہ ہمت افزا ہیں اور ایک بہت بڑی ضرورتِ وقت کو پورا کرتے ہیں۔ "عربی سکھانے والا کتابی معلم" اچھی چیز ہے۔"

(۴) جناب محمد نصیر صاحب بی۔ اے لاہور رقمطراز ہیں:۔ "آپ نے الفضل میں اعلان صرف عیسائیوں کے لئے کیا ہے مگر میں نہ تو مسیحی ہوں نہ احمدی (البتہ احمدی حضرات کے اس حسن عمل کے مداحوں میں سے ہوں کہ فی زمانہ صرف وہی اقصائے عالم میں تبلیغ اسلام کے لئے کوشاں ہیں) پھر بھی میری درخواست ہے۔ کہ آپ الفرقان کے سالانہ نمبر کی تین کاپیاں مجھے ارسال فرمائیں۔ ایک کاپی بطور حوالہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں اور دو کاپیاں اپنے ایسے دو مسیحی دوستوں کو دینا چاہتا ہوں جن کا عقیدہ الوہیت مسیح سے متزلزل ہو چکا ہے"۔

بہائی تحریک اور احمدیت کے نصب العین میں بُنیادی فرق

بہائیت کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے کہ قرآن مجید کی شریعت منسوخ ہے اور اب بابیوں اور بہائیوں کی نئی شریعت کا دور ہے۔ احمدیت کا نصب العین یہ ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کے نسخ اور تبدیلی سے پاک ہے۔ نہ اس کی کوئی ایک آیت منسوخ ہے اور نہ ہی وہ سارا منسوخ ہو سکتا ہے۔ زمین و آسمان کے قیام تک یہی شریعت انسانوں کے لئے دستور العمل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وعدہ فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر) کہ ہم نے اس کتاب کو نازل کیا ہے اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ اس وعدہ الٰہی کا ظہور ہر زمانہ میں مختلف شکلوں میں ہوتا رہا ہے۔ جب بھی قرآن پاک کے خلاف کوئی فتنہ کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ازالہ کے لئے اپنی طرف سے سامان کر دیا۔ اور قرآن مجید کی حفاظت پر کوئی حرف نہ آنے دیا۔

جب بابی اور بہائی فتنہ کا آغاز ہوا اور اس نے اسلامی شریعت کو منسوخ قرار دیکر نئی خود ساختہ شریعت کی بُنیاد رکھنی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ احمدیہ کو مبعوث فرمایا۔ ان دنوں علماء اور مسلمانوں کے فرقے بھی قرآن کریم کی بعض آیات کو منسوخ قرار دے رہے تھے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اعلان فرمایا کہ:۔

"ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے۔ اور اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کے تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۱۳۷-۱۳۸)

بہائی تحریک اور احمدیت میں یہ وہ بنیادی فرق ہے جس کو نہ جاننے کی وجہ سے عام مسلمان دو غلطیاں کر جاتے ہیں (۱) وہ بہائیوں کو مسلمانوں کا ایک فرقہ قرار دیتے ہیں (۲) وہ احمدیت کو بہائیت کے مشابہ تحریک

خیال کرتے ہیں۔ یہ دونو باتیں سراسر غلط ہیں جو لوگ قرآنی شریعت کو سرے سے منسوخ مانتے ہیں وہ کیونکر مسلمان قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ بہائی خود بھی اپنے آپ کو مسلمانوں کا فرقہ قرار نہیں دیتے۔ پھر اس مذکورہ بالا بنیادی فرق کی موجودگی میں احمدیت کو بہائیت کے مشابہ قرار دینا کتنا خطرناک مغالطہ ہے حالانکہ ان دونو میں تضاد کی نسبت ہے۔ احمدیت کا نصب العین اسلامی شریعت کی خدمت اور اشاعت ہے۔ احمدیت کے نزدیک اسلام عالمگیر مذہب ہے اور بہائی تحریک اسلام کو مٹانے اور اس کی شریعت کو منسوخ قرار دے کر اس کی جگہ نئی مزعومہ شریعت کو قائم کرنے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اس واضح اور بیّن فرق کے باوجود اگر کوئی شخص یہ مغالطہ کھاتا ہے یا مغالطہ دیتا ہے کہ احمدیت بہائیت کے مشابہ یا اسکی نقل ہے تو یقیناً ایسا شخص قابلِ رحم اور قابلِ افسوس ہے۔ بعض لوگ بہائی لٹریچر میں یہ پڑھ کر کہ بہاء اللہ نے بھی مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے یہ غلطی کھا جاتے ہیں۔ حالانکہ اوّل تو محض دعویٰ کوئی چیز نہیں۔ اس کے لوازم بھی دیکھنے چاہئیں۔ دوم بہاء اللہ نے عیسائیوں کے عقیدہ والے مسیح کا دعویٰ کیا ہے۔ اسی لئے اس نے اس دعویٰ کے ساتھ اپنی الوہیت کا بھی اعلان کیا ہے۔ اور یہ بات اسلامی اخبار و احادیث کے مطابق مسیح الدجال کا خاصہ ہے۔ اور ایسے مدعی کا صادق مسیح موعودؑ سے قبل ظاہر ہونا الٰہی نوشتوں میں مقدر تھا۔ پس بہائیت کا احمدیت سے بیشتر ظاہر ہونا ہرگز تعجب خیز نہیں ہے۔ ہم اپنے اس بیان کی تائید میں کہ احمدیت اور بہائی تحریک میں اساسی اختلاف یہی ہے کہ بہائی قرآن مجید کو منسوخ قرار دیتے ہیں اور احمدی اسلامی شریعت کے قیام کو اپنا نصب العین مانتے ہیں ایک زبردست شہادت پیش کرتے ہیں۔ مولانا عبدالحلیم صاحب شرر ایڈیٹر رسالہ "دلگداز" لکھنؤ لکھتے ہیں:۔

"آجکل احمدیوں اور بہائیوں میں مقابلہ اور مناظرہ ہو رہا ہے اور باہم ردّ و قدح کا سلسلہ جاری ہے۔ ان دونوں مسلکوں میں ظاہری اختلاف تو یہ ہے کہ احمدی فرقے والے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے مسیح اور مہدی معہود ہونے کے مدعی ہیں اور بہائی مرزا علی محمد باب کو وہ مہدی بتاتے ہیں جنکے ظہور کا وعدہ کیا گیا ہے۔ مگر دونوں میں اصلی فرق یہ ہے کہ احمدی مسلک شریعتِ محمدیہ کو اسی قوت و شان سے قائم رکھ کر اسکی مزید تبلیغ و اشاعت کرتا ہے اور بہائی مذہب شریعتِ عرب کو ایک منسوخ شدہ غیر واجب الاتباع دین بتاتا ہے.....

اسکے مقابل احمدیت رسول آخر الزمان کی رسالت اور پیغمبر عرب کی شریعت کو اسی قدیم شان پر برقرار رکھ کے آیات و احادیث کی تحقیق ایک نئے اصول سے کرتی ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے

کہ مرزا صاحب کو ایک نبی مجتہد فی المذہب یا پیغمبر
پیرو شریعت ماسبق ثابت کیا جائے۔ خلاصہ یہ
کہ بہائیت اسلام کو مٹانے کو آئی ہے اور
احمدیت اسلام کو قوت دینے کیلئے۔ اور اسی کی
برکت ہے کہ باوجود چند اختلافات کے احمدی
فرقہ اسلام کی ایسی سچی اور پرجوش خدمت ادا کرتا
ہے دوسرے مسلمان نہیں کرتے۔"

(رسالہ دلگداز لکھنؤ ماہ جون ۱۹۲۶ء)

اس اقتباس سے اُن تمام لوگوں کی غلط فہمی دور ہو جانی چاہیئے جو سطحی معلومات کی وجہ سے احمدیت اور بہائیت کو یکرنگ تحریکات خیال کرتے ہیں +

قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق بہائیوں کا غلط طریقہ

اہل بہاء نے قرآن مجید کی تفسیر کا جو غلط طریق اختیار کر رکھا ہے اس کا تازہ ترین نمونہ ان کے رسالہ "بشارت" میں پیش کیا گیا ہے۔ لکھا ہے:

"فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ۔ وَالَّیْلِ وَمَا وَسَقَ۔ وَ
الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ۔ لَتَرْکَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ۔
فَمَا لَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ (انشقاق پ۳۰)

میں شفق کی قسم کھاتا ہوں۔ اور رات کی قسم اور جن چیزوں کو رات چھپا لیتی ہے انکی قسم۔ اور چاند کی قسم جبکہ وہ پورا ہو جاتا ہے کہ تم مسلسل ترقی کرتے چلے جاؤ گے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے یعنی سورج جب ڈوبنے لگتا ہے اور شام کو اسکی بقیہ کرنوں کے اثر سے شفق نمودار ہو جاتی ہے ویسے ہی قوم آفتاب ہدایت یعنی پیغمبر دنیا سے چلا جاتا ہے اور رات پڑ جاتی ہے لیکن رات میں یہی چاند نکلتا ہے جو در حقیقت سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے اور جو چودھویں رات میں پورا ہو جاتا ہے اسی طرح قوم بھی پیغمبر کی روشنی سے جبکہ پیغمبر دنیا سے چلا جاتا ہے چاند کی مانند نورانیت حاصل کرتی ہے اور پھر قوم کی تاریک راتیں آجاتی ہیں۔ یہانتک کہ پھر صبح نمودار ہوتی ہے اور نیا آفتاب ہدایت طلوع ہوتا ہے۔" (بشارت کراچی دسمبر ۱۹۳۵ء)

آیات مندرجہ بالا میں سے آیت وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ سے ظاہر ہے کہ آفتاب محمدی سے روشنی حاصل کرنیوالا قمر چودھویں رات میں کامل ہوگا۔ لفظ قمر کہکر اشارہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپکے آفتاب ہدایت سے استفاضہ کرنیوالے چاند ظاہر ہونگے۔ آپ کے مقابل پر اب کوئی "نیا آفتاب" طلوع نہ کریگا۔ جسکے صاف معنے ہیں کہ اب ہمیشہ کیلئے شریعت اسلامی ہی قائم رہیگی۔ مگر بہائی مفسر نے وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ کا ذکر کرکے نئے آفتاب پر استدلال کیا ہے۔ اور اسی لئے اس نے ان آیات کے بعد کی آخری آیت وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ درج نہیں کی۔ جس سے آفتاب نصف النہار کی طرح ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ظاہر ہونیوالے تمام مامور قمر کی حیثیت رکھینگے۔ اور قرآنی شریعت کی اشاعت و تبلیغ ان کا فرض ہے۔ اسوقت بہائی بھی وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ کے مصداق بن رہے ہیں +

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عربی سکھانے والا کتابی معلّم!

دُرُوْسٌ فِی اللُّغَةِ العَرَبِیَّةِ

۴

اَلدَّرْسُ الثَّالِثُ عَشَرَ

(تیرھواں سبق)

آتٍ	عَمَّةٌ	خَالَةٌ	اَمْسِ
آنے والا	پھوپھی	ماں کی بہن	گزشتہ کل
غَدًا	وَصَفَتِ الدَّوَاءَ	قُلْنَ	نِسْوَةٌ
آنے والا کل	دوا بتائی	ان عورتوں نے کہا	عورتیں
اَلْاَصْغَرُ	اَلْمَدِیْنَةُ ؛		
سب سے چھوٹا	شہر		

قَالَ اللّٰهُ لِیْ — اللہ تعالےٰ نے مجھے فرمایا

یَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ اِنَّهٗ كَذَّابٌ — ظالم کہتے ہیں کہ وہ جھوٹا ہے ۔

قُلْ لِاَبِیْكَ اِنِّیْ آتٍ غَدًا — اپنے والد صاحب سے کہدیں کہ میں کل آؤنگا

قَالَتْ اُخْتُهٗ لَهٗ — اس کی بہن نے اُسے کہا

قَالَتْ صَفِیَّةُ لِوَلَدِهَا هٰذِهٖ عَمَّتُكَ — صفیہ نے اپنے بچے سے کہا کہ یہ تیری پھوپھی ہے

اِنَّ اُمِّیْ وَخَالَتِیْ مَرِضَتَا اَمْسِ — میری والدہ اور خالہ کل بیمار ہوگئیں

اِنَّ وَالِدِیْ طَبِیْبٌ فَوَصَفَ لَهُمَا الدَّوَاءَ — میرے والد صاحب طبیب ہیں انہوں نے ان کیلئے دوا تجویز کی

قَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ — عورتوں نے شہر میں چرچا کردیا

اَخُوْهُ الْاَصْغَرُ لَا یَزَالُ مَرِیْضًا — اس کا چھوٹا بھائی ابھی تک بیمار ہے

اِنَّ النِّسَاءَ قُلْنَ لِیُوْسُفَ ؛ — عورتوں نے یوسف سے کہا

نوٹ ۱:۔ قَالَ فعل ماضی ہے ۔ یَقُوْلُ فعل مضارع ہے ۔ اور قُلْ فعل امر ہے ؛

نوٹ ۲:۔ کسی فعل کا فاعل اسم ظاہر اگر فعل کے بعد آئے تو فاعل کے دو یا تین اشخاص ہونے کی صورت میں بھی فعل کا صیغہ واحد ہی رہے گا ۔ جیسے قَالَ اللّٰهُ اور قَالَ رَجُلَانِ اور قَالَ النَّاسُ میں ہے

نوٹ ۳:۔ اگر فاعل ضمیر ہو تو مرجع کی تعداد کے مطابق فعل کا صیغہ بدلتا رہے گا ۔ مثلاً زَیْدٌ قَالَ ۔ رَجُلَانِ قَالَا ۔ رِجَالٌ قَالُوْا ؛

مشق

ترجمہ کریں :۔ رسول آنے والا ہے ۔ اس کی بہن نے اپنی والدہ سے کہا ۔ میں آپ سے کہہ چکا ہوں ۔ اپنی والدہ سے کہہ دیں کہ خالہ کل آئیں گی ۔ اس شہر میں طبیب نہیں ہے ۔

ظالم شہر میں چرچا کر رہے ہیں۔ سفینہ کل سے بیمار ہے۔ میں نے کل اس کے لئے دوا تجویز کی تھی۔ میرے والد صاحب اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔ یہ سب عورتیں بیمار ہیں۔

اَلدَّرْسُ الرَّابِعُ عَشَرَ

(چودھواں سبق)

جَاعَ — اَلْبَرِّيَّةُ — اَلذِّئْبُ — فَرِيْسَةٌ
اسے بھوک لگی — جنگل — بھیڑیا — شکار

اَلْفَلَّاحُ — اَلْعُشْبُ — اَلتُّفَّاحَةُ — حَبُّ الْقَمْحِ
زمیندار — گھاس — سیب — گندم کے دانے

بَحَثَ — اَلْفُطُوْرُ ۔
اس نے تلاش کی — ناشتہ

خَرَجْنَا اِلَى الْبَرِّيَّةِ ذَاتَ يَوْمٍ — جَلَسَ كُلٌّ
ہم ایک دن جنگل میں گئے — ہم میں سے ہر ایک

وَاحِدٍ مِّنَّا عَلَى الْعُشْبِ — كَانَتْ هُنَاكَ
گھاس پر بیٹھ گیا — وہاں پر بہت سی

جَدَاوِلُ كَثِيْرَةٌ — لَمْ يَكُنْ مَعِي فُطُوْرٌ
چھوٹی نہریں تھیں — میرے پاس ناشتہ نہ تھا

وَجَدْتُ تُفَّاحَةً عَلَى شَاطِئِ جَدْوَلٍ
میں نے نہر کے کنارے ایک سیب پایا

وَكُنْتُ جَائِعًا — رَأَيْتُ فَلَّاحًا يَزْرَعُ
میں بھوکا تھا — میں نے ایک زمیندار کو دیکھا وہ

حَبَّاتِ الْقَمْحِ — مَرَّ بِيْ ذِئْبٌ
گندم بو رہا تھا — میرے پاس سے بھیڑیا گزرا

اَلذِّئْبُ كَانَ يَبْحَثُ عَنْ فَرِيْسَةٍ ۔
بھیڑیا کوئی شکار تلاش کر رہا تھا

نوٹ:۔ جاعَ سے اسم فاعل جائِعٌ (بھوکا) بنتا ہے جس طرح قالَ سے قائِلٌ اور قامَ سے قائِمٌ۔

مشق ۱

ترجمہ کریں:۔ ہم دریا کے کنارے جائیں گے۔ زید اپنی کتاب تلاش کر رہا ہے۔ زمیندار نے سیب کھایا۔ میرا ناشتہ لاؤ۔ میں بھوکا ہوں۔ میں بھیڑیئے کے پاس سے گزرا۔ یہ چھوٹی نہر جنگل کی طرف جاتی ہے۔ وہ اپنا ناشتہ تلاش کرتا ہے۔ جنگل میں گھاس بہت ہے۔ ہم نہر کے کنارے بیٹھ گئے۔

مشق ۲

مندرجہ ذیل الفاظ کو فقروں میں استعمال کریں:۔
فَلَّاحٌ - نِسَاءٌ - اُمِّيْ - اَلْبَرِّيَّةُ - جُوْعٌ - قَمْحٌ - فُطُوْرٌ - جَدْوَلٌ - اَمْسِ - اَلدَّوَاءُ ۔

اَلدَّرْسُ الْخَامِسُ عَشَرَ

پندرھواں سبق

شَمْسٌ — قَمَرٌ — فَلَكٌ — سَفِيْنَةٌ — نَجْمٌ
سورج — چاند — آسمان — کشتی — ستارہ

اُفُقٌ — بَحْرٌ — نَهْرٌ — حَقْلٌ — مَلَّاحٌ
افق — سمندر — دریا — کھیتی — ملاح۔

طَلَعَتِ الشَّمْسُ — بَزَغَ الْقَمَرُ
سورج نکل آیا — چاند نکلا

هٰذِهٖ نُجُوْمٌ كَثِيْرَةٌ — هَلْ تَرٰى مِنْ نَجْمٍ

یہ بہت ستارے ہیں — کیا آپکو کوئی ستارہ نظر آتا ہے؟

نَعَمْ اِنِّیْ اَرٰی نَجْمًا سَاطِعًا فِی الْاُفُقِ ۔

ہاں میں اُفق پر ایک چمکتا ہوا ستارہ دیکھتا ہوں

تِلْكَ حُقُوْلٌ خَضْرَاءُ — هٰذِهٖ سَفِيْنَةٌ

وہ سرسبز کھیتیاں ہیں — یہ کشتی

تَجْرِیْ فِی الْاَنْهَارِ — اَلْمَلَّاحُ جَالِسٌ

دریاؤں میں چلتی ہے — ملاح کشتی میں

فِی السَّفِيْنَةِ — اَلْبَوَاخِرُ تَمْخُرُ مِيَاهَ

بیٹھا ہے — جہاز سمندروں کے پانیوں کو

الْبِحَارِ — اَلْقَمَرُ يَسْبَحُ فِیْ فَلَكِهٖ

چیرتے ہیں — چاند اپنے فلک میں تیرتا ہے

سوالات

۱ - عربی میں لفظ شمس مذکر ہے یا مؤنث ؟

۲ - حُقُوْلٌ کا مفرد کیا ہے ؟

۳ - نَجْمٌ - نَهْرٌ - بَحْرٌ کی جمع کیا آتی ہے ؟

۴ - جَالِسٌ کونسا اسم ہے ؟ قَائِمٌ کونسا اسم ہے ؟

۵ - لفظ قمر مذکر ہے یا مؤنث ؟

ترجمہ کریں !

۱ - جہاز پانیوں میں کھڑے ہیں -

۲ - چاند افق پر چمک رہا ہے -

۳ - کشتی سمندر پر تیر رہی ہے -

۴ - سورج کب طلوع ہوا ؟

۵ - یہ کھیتی کس کی ہے ؟

۶ - اس ملاح کا کیا نام ہے ؟

۷ - کیا تمہیں نہر کے کنارے پر کوئی آدمی نظر آتا ہے ؟

عربی زبان سیکھنے کے شائقین کو مژدہ !

جو احباب ہمارے شائع کردہ اسباق سے استفادہ کر رہے ہیں ان کی سہولت کیلئے مزید انتظام کیا گیا ہے کہ الفرقان کے خریدار صاحبان اسباق کی مشقوں، سوالات اور ترجمہ وغیرہ کو دوبارہ حل کر کے اگر بذریعہ ڈاک ادارہ الفرقان کو بھیجیں گے تو ان کی غلطیوں وغیرہ کی اصلاح کر کے انہیں عربی زبان کے سیکھنے میں مدد دی جائے گی - انشاء اللہ - ایسے احباب کو اس کے لئے کسی فیس وغیرہ کے ادا کرنے کی ضرورت نہیں - البتہ اصلاح شدہ حل کے واپس کرنے کے لئے ڈاک کے ٹکٹ آنے لازمی ہیں - اور اصلاح کے لئے کاغذ کا ایک حصہ خالی چھوڑنا بھی ضروری ہے -

(ادارہ)

شذرات

قرآن مجید پر شیعوں کا ایمان

کراچی کا شیعہ ماہ نامہ نوید لکھتا ہے:-

"کیا موافق تنزیل قرآن کا جمع کرنا ممکن نہ تھا؟ ضرور تھا۔ جناب امیر علیہ السلام نے موافق تنزیل جمع کیا اور حکومت کے سامنے پیش بھی کر دیا۔ لیکن بہت سی سیاسی مصالح کی بنا پر اس کا رواج دینا منظور نہ ہوا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اسے جاری کیوں نہ کیا؟ محض اسلئے کہ مسلمانوں میں دو قرآن ہو جاتے۔ اور یہ اختلاف سخت مضر ہوتا۔ دوسرے ادیان کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ ہم ان دونوں میں سے کس کو صحیح مانیں۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ دونو نظرِ اعتبار سے گر جاتے۔ مثل مشہور ہے اذا تنازعا تساقطا (جب دو چیزوں میں نزاع ہو تو دونو نظرِ اعتبار سے گر جاتی ہیں) آج مسلمان انجیل کے متعلق جو اعتراض کرتے ہیں کہ ان کے بہت سے نسخوں میں سے کون سا اصلی ہے وہی عیسائی مسلمانوں پر کرتے۔ دو قرآن جاری ہو جانے سے اسلام کی صداقت پر حرف آجاتا اسلئے اس حامی دین اور حافظِ مذہب حقہ نے اپنا جمع کردہ قرآن رائج کرنا مصلحت نہ جانا۔ خلاف شان نزول ہونا اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ نظرِ اعتبار سے گر جانا۔ جو کچھ اس وقت قرآن مجید میں موجود ہے وہ حرف بحرف کلام باری ہے اس پر ہم شیعوں کا ایمان ہے۔"

(جنوری ۵۲ء صفحہ ۲-۳)

جب شیعہ بھائی قرآن مجید کے حرف حرف پر ایمان لاتے ہیں تو انہیں ارشاد باری تعالیٰ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (تحقیق قرآن مجید کو جمع کرنا اور اسے ترتیب دینا ہمارے ذمہ ہے) کے مطابق اس کی موجودہ ترتیب کو بھی ماننا چاہیئے۔ اگر یہ درست ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں مزعومہ موافق تنزیل قرآن مجید کو اسلئے رواج نہ دیا کہ اسلام کی صداقت پر حرف نہ آجائے اور غیر مسلم اعتراض نہ کر سکیں ہاں اگر یہ درست ہے تو شیعہ ایڈیٹر صاحب غور فرمائیں کہ آج تیرہ سو سال بعد اس فرسودہ داستان کو دہرا کر آپ کس فرض کو ادا کر رہے ہیں۔ سچ ہے۔ عَدُوٌّ عَاقِلٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدِيْقٍ جَاهِلٍ

احمدیوں پر غلط فتویٰ ۲

سرگودھا کے شیعہ دار العلوم کے مدرس اعلیٰ مولوی حسین بخش صاحب نے لکھا ہے:-

"آجکل فرقہ مرزائیہ کافر گروہ ہے کیونکہ ختم نبوت اور حیاتِ مسیحؑ جو کہ اسلام کے مسلّم عقیدے ہیں ان کے وہ منکر ہیں۔ علاوہ ازیں ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو بُرا بھلا کہنے سے بھی دریغ نہیں کرتے لہذا ناصبی بھی ہیں" (رسالہ القائم جنوری ۲۵ء صفحہ ۲۵)

یہ فتویٰ بلا تحقیق اور بے بُنیاد ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔ جماعت احمدیہ قرآن مجید کے مطابق سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرتی ہے۔ البتہ خاتم النبیین کے معنے وہی کرتی ہے جو شیعوں کی مسلّم روایت کے مطابق خود حضور علیہ السلام نے کئے ہیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں " اَنَا خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَ اَنْتَ یَا عَلِیُّ خَاتَمُ الْاَوْلِیَاءِ" کہ میں جس طرح خاتم الانبیاء ہوں اسی طرح اے علیؓ! تو خاتم الاولیاء ہے۔ (تفسیر الصافی صفحہ ۴۱۱ زیر آیت خاتم النبیین)

جہاں تک حیاتِ مسیحؑ کا تعلق ہے بیشک ہم قرآن مجید کے مطابق حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو جملہ نبیوں کی طرح وفات یافتہ مانتے ہیں مگر واضح رہے کہ حیاتِ مسیحؑ کوئی اسلامی عقیدہ نہیں۔ قرآن مجید تو وفاتِ مسیحؑ کا اعلان کر رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ - کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے آنے والے سب رسول وفات پا چکے ہیں تعجب ہے کہ ابھی تک لوگ حیاتِ مسیحؑ کے خیال کو اسلامی عقیدہ قرار دیتے ہیں۔

مولوی صاحب نے سراسر غلط طور پر ہم پر الزام لگایا ہے کہ ہم نعوذ باللہ ائمہ اطہار اہل بیت علیہم السلام کو بُرا بھلا کہنے سے دریغ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ محض افترا ہے۔ ہم تو تمام ائمہ اہل بیت کو مطہر اور مقدس جانتے ہیں۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام لکھتے ہیں:-

"خاکم نثار کوچۂ آلِ محمد است"

اُمید ہے شیعہ مولوی صاحب اپنے فتویٰ پر نظر ثانی فرمائینگے!

اہل حدیثوں کے نزدیک شیعہ ختم نبوت کے منکر ہیں! ۳

"شیخ الحدیث" مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ شیعہ کتب کے اقتباس درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

"اِن شیعی نصوص سے ذیل کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں (۱) حضرات شیعہ کے نزدیک امام پر وحی نازل ہوتی ہے اور وہ خدا کا کلام سُنتے ہیں۔ (۲) امام سے زمین کبھی خالی نہیں ہوتی۔ (۳) یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا۔ اگر دو آدمی بھی دُنیا میں رہ جائینگے تو ایک ضرور امام ہوگا۔

اِن ارشادات کے بعد غور فرمائیے کہ

ختم نبوت یا انقطاعِ وحی کا کوئی مقصد
باقی رہ جاتا ہے۔ اور قادیانیت کا جرم (؟)
اس سے کہاں تک زیادہ ہے یا یہ ناسور
صرف پرانا ہونے کی وجہ سے برداشت
کیا جا رہا ہے؟"

(الاعتصام ۲۸ دسمبر ۱۹۵۱ء صہ)

شیعہ بھائی غلط طور پر ہمیں ختم نبوت کا منکر قرار دیتے ہیں اور اہلحدیث شیعوں کو ختم نبوت کے منکر قرار دیتے ہیں بلکہ انہیں ناقابلِ برداشت پرانا ناسور بتلاتے ہیں؟ اور حنفی تو مدتوں پہلے لکھ چکے ہیں کہ:۔

"در مذہب حنفی موافق روایاتِ مفتی بہ
حکم فرقۂ شیعہ حکم مرتدان است۔"

(مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص۱۲)

مولانا عبدالباری صاحب ندوی پر انکارِ ختمِ نبوت کا فتوےٰ

ایڈیٹر صاحب "کوثر" مولانا عبدالباری صاحب ندوی کے ایک فقرہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس قسم کا اعتقاد ختم نبوت کے عقیدے
کے منافی ہے۔ معلوم نہیں پیر پرستی کے غلو
میں ہمارے بعض اربابِ تقدس و تقویٰ صحابہ
کی تنقیص اور ختم نبوت کی تردید پر بھی
کیوں آمادہ ہو جاتے ہیں۔"

(کوثر ۵ جنوری ۱۹۵۲ء)

معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحبان کے نزدیک کسی کو ختم نبوت کا منکر قرار دیکر فتویٰ دینا سب سے آسان ہے۔ ذرا کسی سے کسی بات پر اختلاف ہوا تو فوراً اسے ختم نبوت کی تردید کرنے والا کہہ کر فتویٰ دیدیا معلوم نہیں کہ محققین اس قسم کی بے راہ روی کو کب تک برداشت کرتے رہیں گے؟

پاکستان میں مذہبی آزادی

سلطنتِ پاکستان قرآنی اصولوں کو جاری کرنے کے لئے قائم ہوئی ہے۔ اسلام کا اولین اصل یہ ہے کہ ہر انسان کو مذہبی آزادی حاصل ہے اور ایمان یا کفر کے اختیار کرنے میں ہر شخص مختار ہے۔ دنیوی حکومت ایمان کی جزا اور کفر کی سزا دینے کی مجاز نہیں۔ یہ کام اللہ تعالےٰ کا ہے جو دلوں کا مالک ہے۔ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قرآن مجید کا زریں اصل ہے لیکن افسوس ہے کہ مسلم قوم جہاں اور قرآنی اصولوں کو نظر انداز کر رہی ہے وہاں اس نے غلط کار علماء کی تشریحات کے نتیجہ میں قرآن مجید کے آزادئ ضمیر کے اصل کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔ چنانچہ پاکستان میں مسلمان کہلانے والے دو بڑے فرقوں (شیعہ اور سنی) کے اخبارات کے دو اقتباس درج ذیل ہیں:۔

(۱) شیعہ رسالہ نور کراچی لکھتا ہے:۔

(الف) ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ
ہمارے مسلمان بھائیوں کو آخر عزاداری

امام مظلوم کے سلسلہ میں، ہم سے اتنی عداوت کیوں ہے۔ اگر ہم نبی کے نواسہ کا غم مناتے ہیں، خاندانِ رسول کی تباہی پر ماتم کرتے ہیں تو اس سے آپ کے دل پہ کیوں چوٹ پڑتی ہے۔ ہم آپ کو تو ایسا کرنے پہ مجبور نہیں کرتے۔ آپ کو ہماری مذہبی آزادی سلب کرنے کا حق کہاں سے حاصل ہے۔ یا تو یہ کہہ دیجئے کہ ہم کو پاکستان میں آزادی حاصل نہیں کیونکہ ہم اقلیت میں ہیں۔ اور اگر ہم کو بھی دیگر اقلیتوں کی طرح آزادی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ہماری مسجدیں نہیں بننے دیتے۔ آپ ہمیں (اسم عزا داری بجا نہیں لانے دیتے؟"

(ب) "سمجھئے اور جلد سمجھئے کہ فرقہ پرستی۔ تعصب کیشی۔ فرقہ وارانہ عداوت کسی طرح پاکستان کے لئے مفید نہیں جب تک تمام اسلامی فرقے پورے پورے اتحاد و اتفاق سے کام نہ کریں گے نہ ہم پاکستان کی حفاظت کرسکتے ہیں اور نہ اس کی ترقی میں پوری طرح کوشش کرسکتے ہیں۔" (جنوری ۵۲ء)

(۲) سُنّی اخبار تسنیم لاہور لکھتا ہے:۔

(الف) "شیعوں اور سُنّیوں کے اختلاف و افتراق کی وجہ اس وقت ان کے فقہی، کلامی اور عقائد کے اختلافات نہیں۔ بلکہ ان عقائد کے اظہار و اعلان کا ایک خاص طریق۔ آخر کسی شخص کو اس سے کیا بحث کہ کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مستحق خلافت سمجھتا ہے یا نہیں؟ متعہ جائز ہے یا ناجائز؟ پاؤں وضو میں دھونے چاہئیں یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ علمی مسائل ہیں اور ان کو علمی طریق پر ہی پرکھا جاتا ہے۔ سُنّی حضرات کو شیعوں کے طرز عمل سے اگر شکایت پیدا ہوتی ہے تو اس وجہ سے کہ شیعہ حضرات خلفائے ثلاثہ کو جنہیں وہ راشد اور واجب الاحترام قرار دیتے ہیں سب و شتم کا نشانہ بناتے ہیں اور اس کے لئے مظاہرے کرتے ہیں۔"

(ب) "اگر پاکستان میں وحدت قائم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں مسلمانوں کو بھی اجازت نہیں دینی ہوگی کہ وہ غیر مسلموں کی اقلیت کے بزرگوں کے خلاف زبانِ دشنام کھولیں۔ اسلام بھی اس کی اجازت

نہیں دیتا اور معمولی اخلاق بھی گوارا نہیں کرتا کہ کسی شخص کی دلآزاری کی جائے۔"

(مورخہ ۲۵ جنوری ۱۹۵۲ء)

اسلامی نقطۂ نگاہ سے ہر شخص کو اعتقاد، خیال اور فکر کی آزادی ہے لیکن کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ دوسروں کے بزرگوں کو ہدفِ طعن بنائے۔ عقائد کے بارے میں جبر و تشدد بھی مذموم ہے۔ اور آزادیٔ عقیدہ کے نام سے کسی قوم کے بزرگوں کو گالی دینا بھی قابلِ نفرت فعل ہے۔ اسلام ان دونوں سے بیزار ہے۔ اور یہ دونو طریقے پاکستان کے لئے مضر ہیں شیعوں اور سُنیوں ہر دو کو اسلامی مسلک اختیار کرنا چاہیئے ؛

ایک بابرکت تحریک

قرآن حکیم کی تعلیم

جناب مولانا ابو رشید صاحب مجددانی نے روزنامہ آفاق مورخہ ۲۱ جنوری میں عنوان بالا سے جو مفید نوٹ شائع کیا ہے اس میں آپ نے ایک بابرکت تحریک کی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:۔ "ہر مسلمان کو تسلیم ہے کہ مسلمانوں کیلئے سب سے بڑا سرچشمۂ ہدایت قرآن ہے۔ یہی وہ کتاب تھی جس نے مسلمانوں کو ایک زمانے میں دین و اخلاق کے اعتبار سے دُنیا بھر کی قوموں میں ممتاز بنا دیا تھا اور جسکی روح حقیقی پر عمل کرنیوالے آدھی دُنیا کے حکمراں بن گئے تھے اور جس کا دعویٰ ہے کہ آئندہ بھی جو فرد یا قوم اس پر عمل کریگی وہ دُنیا اور عقبیٰ میں سربلند ہو جائیگی لیکن کس قدر تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے دینی مدارس میں بھی جنہیں قرآن کے ساتھ انتہائی وابستگی ہونی چاہیئے تھی تدریسِ قرآن ہی سے تغافل برتا جا رہا ہے یعنی اگر فلسفہ اور منطق کی تعلیم کیلئے پانچ سال صرف کئے جاتے ہیں تو تفسیر قرآن کیلئے ایک سال بھی بمشکل دیا جاتا ہے۔ اور پھر وہ تفاسیر پڑھائی جاتی ہیں جو آج سے صدہا سال پہلے لکھی گئی تھیں اور جن سے آجکل کا طالبعلم کوئی معتدبہ استفادہ نہیں کر سکتا مثلاً جلالین اور بیضاوی ملاحظہ ہوں۔ جلالین اس قدر مختصر ہے کہ شاید اس کا متن قرآن مجید کے متن سے زیادہ نہیں۔ بیضاوی اگرچہ اس قدر مختصر نہیں لیکن اسکے دو تین پاروں سے زیادہ شاملِ درس نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ——— ہمارے دینی مدرسوں کے فارغ التحصیل مولویوں کو قرآن مجید کے معانی و مطالب پر اتنی بصیرت بھی حاصل نہیں ہوتی ——— جتنی مثلاً کسی شوقیہ پڑھنے والے کو محض ترجمے کی تعلیم سے حاصل ہو جاتی ہے ..... میں اسوقت علوم قرآن پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ اسکے فقہی، ادبی، تاریخی، نحوی، لغوی پہلوؤں پر علمائے سلف نے ضخیم کتابیں لکھی ہیں میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے دینی مدارس جتنا وقت غیر متعلق علوم پر صرف کرتے ہیں یا محض ہیر پھیر میں وقت ضائع کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ توجہ قرآن پڑھانے پر مرکوز کرنی چاہیئے کیونکہ قرآن اصل دین ہے۔ حدیث و فقہ اور دوسرے علوم محض اسکے خادم ہیں۔ اگر قرآن اُس طریقے سے طلبہ اور عوام کو پڑھایا جائے جس طریقے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو پڑھایا تھا تو اسکے فوائد لاانتہا ہونگے۔ پڑھنے والوں کو اللہ اور رسولؐ کا منشا معلوم ہو گا۔ دماغ روشن ہو جائینگے۔ لوگ اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں تعلیماتِ قرآنی کی روح پر عمل کرنے کے قابل ہو جائینگے۔ اور مختلف قسم کے جھگڑوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہوں گے ....."

(آفاق ۲۱ جنوری ۱۹۵۲ء)

ہمارے نزدیک یہ ایک نہایت اہم تجویز ہے۔ اسلامی مدارس میں قرآن مجید کی تعلیم کا فوری اور مناسب انتظام ہونا چاہیئے۔ آج تک تو صرف جماعت احمدیہ ہی قرآن حکیم

قرآن مجید کی پیشگوئیوں کی انواع اور انکا ظہور

(مکرم امین اللہ خاں سالک متعلم جامعہ احمدیہ)

اِس مضمون سے ہستی باریتعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوگا کہ قرآن کریم عالم الغیب خدا کا کلام ہے اور پھر یہ سچی پیشگوئیاں ہمارے ازدیادِ ایمان کا موجب ہوں گی۔

پیشگوئیاں صداقت کا معیار ہیں کیونکہ عالم الغیب صرف خدا تعالیٰ ہے۔ ذاتی طور پر غیب کا علم کوئی شخص نہیں رکھتا۔ یہانتک کہ خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکایت کرتا ہوا فرماتا ہے۔ قُلْ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ (اعراف رکوع ۲۳) یعنی اگر مَیں علم غیب جانتا ہوتا تو اپنے لئے بھلائی ہی بھلائی جمع کر لیتا۔ پھر جب ایک اجتماع کے موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکی کو یہ پڑھتے سُنا ؎ فینا نبی یعلم ما فی غدٍ (ہم میں ایسا نبی ہے جو آئندہ کی باتیں جانتا ہے) تو آپؐ نے فرمایا۔ ایسا مت کہو مَیں علم غیب نہیں جانتا۔ پس جس بات میں بھی علم غیب ہوگا وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوگی پیشگوئیوں میں علم غیب ہوتا ہے اسلئے وہ صداقت کا نشان ٹھہریں۔

قرآن کریم کی پیشگوئیوں کی نوعیت چار طرح کی ہے:۔

اوّل جو زمانہ ماضی میں پوری ہو چکی ہیں۔ دوّم جو زمانہ حال میں پوری ہو رہی ہیں۔ سوّم جو آئندہ پوری ہونگی۔ چہارم وہ پیشگوئیاں جو ایک سدا بہار درخت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جسدن سے وہ معرضِ وجود میں آئیں اُسوقت سے لیکر آج تک اور آج سے لیکر قیامت تک انکی صداقت متحقق ہو رہی ہے اور ہوتی رہیگی۔

اِسوقت مَیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید عالم الغیب ہستی کا کلام ہے۔ اسکو ثابت کرنے کیلئے اگرچہ ایک پیشگوئی بھی کافی ہے تاہم مَیں چند پیشگوئیاں پیش کرتا ہوں ؎

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ مَیں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

اوّل۔ جو زمانہ ماضی میں پوری ہو چکی ہیں۔ (الف) جب اہل کتاب رومی ایرانی مشرکوں سے شکست کھا چکے تو یہ پیشگوئی کی گئی۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ (سورہ روم رکوع ۱) یعنی "اب رومی شکست کھا چکے ہیں لیکن وہ اپنے مغلوب ہونیکے بعد عنقریب غلبہ پائیں گے" بعد میں رومیوں نے فتح پائی اور یہ پیشگوئی لفظ بلفظ پوری ہوئی۔ (ب) جنگ بدر کے بعد جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت بے سرو سامانی کی حالت میں تھے اور تعداد بھی بہت تھوڑی تھی اور دشمن سازو سامان سے آراستہ ہونیکے علاوہ تعداد میں بھی بہت زیادہ تھا تو مکہ میں شائع کی ہوئی پیشگوئی سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (قمر رکوع ۳) یعنی "عنقریب جمعیت کفار کو شکست دیجائیگی اور وہ پیٹھیں پھیر لینگے" آفتاب نصف النہار کی طرح پوری ہوئی۔

دوم:- وہ پیشگوئیاں جو حال میں پوری ہو رہی ہیں بطور نمونہ ذکر کرتا ہوں۔ (الف) یہودیوں کے متعلق فرمایا وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا (بنی اسرائیل رکوع ۱۲) یعنی وہ دوبارہ فلسطین میں آباد ہونگے۔ یہ پیشگوئی بھی ہماری آنکھوں کے سامنے پوری ہو رہی ہے اور یہودی برطانیہ اور امریکہ کی مدد سے فلسطین میں آباد ہو گئے ہیں (گو یہودی ہونے کی صورت میں ان کا وہاں جمع ہونا ان کیلئے موجب برکت ثابت نہیں ہوگا)۔ (ب) فرعون کے متعلق فرمایا فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً (سورہ یونس رکوع ۹) یعنی اے فرعون! ہم تیرے بدن کو بچائیں گے" دُنیا اس پیشگوئی پر ہنستی تھی کہ جو لاش آج سے دو اڑھائی ہزار سال قبل دُنیا سے مٹ چکی ہے قرآن اُسے محفوظ بتا رہا ہے لیکن آج دُنیا پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوئی ہے۔

سوم:- جو آئندہ زمانہ میں پوری ہوں گی۔ چونکہ میرا مضمون تفصیلی نہیں اس لئے سردست ان کو چھوڑتا ہوں۔ البتہ اتنا عرض کر دیتا ہوں کہ یہ پیشگوئیاں جو آئندہ زمانہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں مثلاً دین اسلام تمام ادیانِ باطلہ پر غالب آجائے گا وغیرہ وغیرہ ضرور پوری ہو کر رہیں گی۔ کیونکہ جو پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں اُن کی صداقت ہمیں اِن کی صداقت کا بھی یقین دلاتی ہیں۔

چہارم:- انبائے مستمرہ یعنی سدا بہار پیشگوئیاں۔

(الف) اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید کے متعلق یہ وعدہ ہے کہ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر رکوع ۱) یعنی اِس ذکر (قرآن مجید) کو ہم نے ہی اُتارا ہے اور ہم ہی اسکی حفاظت کرتے رہیں گے"۔ (ب) ایسے ہی فرمایا۔ وَإِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (بقرہ رکوع ۳) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر قرآن مجید میرا کلام نہیں تو تم اسکے مقابل پر کوئی سورۃ بنا لاؤ۔ لیکن تم ایسا ہرگز نہیں کر سکو گے ۝

خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرقِ نمایاں ہے

مندرجہ بالا پوری ہونیوالی پیشگوئیوں سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم سچی اور خدا کی کتاب ہے۔ درحقیقت قرآن کریم نے خود اپنے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے کہ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ أُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِإِذْنِ رَبِّهَا (ابراہیم رکوع ۴) یعنی میں ایک سدا بہار درخت ہوں کہ جو اپنے پھل دینے میں کسی خاص فصل یا موسم کا پابند نہیں ہر زمانے میں میری شاخوں پر صداقت اور راستبازی اور علمِ غیب کے پھل موجود ہیں سو کاش کہ کوئی اِس روحانی درخت سے استفادہ کرنیوالا ہو! ۝

انظر الی الانباءِ کیف تحققت
فی کلِّ اوقاتٍ من الازمان

"سالانہ نمبر" الفرقان پر تبصرہ جات

۱۔ روزنامہ الفضل لاہور رقمطراز ہے:۔ "ماہنامہ الفرقان کے جاری ہونے پر ہم نے امید ظاہر کی تھی کہ انشاء اللہ یہ رسالہ ترقی کریگا اور اپنے بلند پایہ مقاصد کو ہر بار پہلے سے بڑھ چڑھ کر بروئے کار لاتا رہیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اسکا ہر پرچہ نئی سے نئی تحقیقات سے لبریز ہوتا ہے۔ زیر نظر رسالہ اتنی قابلیت سے مرتب کیا گیا ہے اور تشنگان علم کیلئے اسمیں اسقدر مفید مواد جمع کیا گیا ہے کہ ہم اسپر جناب مولانا ابو العطاء صاحب مدیر رسالہ ہذا کو مبارکباد پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ رسالہ ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ رسالہ کے ٹائیٹل پیج صفحہ ۲ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین تصویریں ہیں جو انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا سے لیکر شائع کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک تصویر جوانی کی ہے دوسری ادھیڑ عمر کی اور تیسری بڑھاپے کی۔ یہ تینوں تصاویر اولین نصاریٰ کی مقدس امانت ہیں جسے عیسائیوں نے لائبریریوں اور گرجاؤں میں محفوظ کر رکھا ہے۔ ان تصاویر سے واضح ہوتا ہے کہ تیسری صدی مسیحی تک عیسائی حضرات عیسیٰ علیہ السلام کے بڑھاپے کے قائل تھے۔ اور موجودہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ آپ تینتیس ۳۳ سال کی عمر میں وفات پا گئے بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔

ہم اس رسالہ میں مندرج بعض عنوانات درج کرتے ہیں جن پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ کس محنت سے مرتب کیا گیا ہے۔ اور اس میں تحقیقی مضامین کا کس قدر اعلیٰ امتزاج ہے۔ (۱) عہد نامہ جدید قرآن مجید ہے نہ کہ انجیل (۲) قرآن کریم اور کتب سابقہ کی تعلیموں کا اصولی مقابلہ (۳) قرآن کریم میں عجمی الفاظ کی آمیزش کا غلط خیال (۴) قرآن مجید کی معجزانہ بلاغت و ترتیب کی چند ایک مثالیں (۵) حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی زندگی کے دو دور (آثار قدیمہ کی ایک اہم شہادت (۶) قرآن مجید کے کامل ہونے پر دس دلیلیں (۷) قرآن مجید پر سوامی دیانند جی کے اعتراضات کے جواب (۸) تحقیق ام الالسنہ (۹) دعوت بسوئے اتباع قرآن (۱۰) قرآن مجید پر مستشرقین کے ایک اعتراض کا جواب (واقعہ ہاروت ماروت میں پیشگوئی) (۱۱) قرآن مجید ہی ہدایت کا دائمی سرچشمہ رہیگا (اہل بہاء کے ایک تازہ استدلال کا جواب)۔ (۱۲) قرآن شریف اور حضرت بابا نانک علیہ الرحمۃ (۱۳) حلت و حرمت کے متعلق قرآن مجید کا پر حکمت اسلوب (۱۴) صلیبی حادثہ کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کہاں گئے؟ (۱۵) قرآنی تاثیروں کا ایک نمونہ (۱۶) رسالۃ القرآن عالمیۃ خالدۃ (عربی مضمون) غرضیکہ رسالہ ہر لحاظ سے قابل ستائش ہے ہر احمدی کو نہ صرف یہ کہ اسے خود خریدنا چاہیئے بلکہ اپنے غیر احمدی دوستوں کو بھی خریدنے کی ترغیب دینی چاہیئے۔ قیمت ایک روپیہ۔ چندہ سالانہ پانچ روپے۔ ملنے کا پتہ:۔ دفتر رسالہ الفرقان۔ احمد نگر۔ ربوہ۔ ضلع جھنگ۔" (الفضل ۱۶؍ جنوری ۱۹۵۳ء)

۲۔ شیعہ ماہنامہ القائم سرگودھا کے ایڈیٹر صاحب رقمطراز ہیں:۔ "اسوقت ہمارے پیش نظر ماہنامہ الفرقان کا سالانہ نمبر ہے جو ہمیں بتبادلہ ریویو موصول ہوا ہے۔ اسکا مقام اشاعت احمد نگر ربوہ ہے۔ اور اسکے ایڈیٹر جناب ابو العطاء صاحب جالندھری ہیں۔ اگرچہ یہ رسالہ احمدی قادیانی خیالات کا ترجمان ہے لیکن فضائل قرآن اور حقیقت اسلام بھی اس کا نصب العین ہے۔ ہمارے اور احمدی حضرات کے عقائد بہت زیادہ متضاد ہیں تاہم جہانتک متعلقہ اصول اور مسلمہ عقائد کا تعلق ہے ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ ہمارا نظریہ ہے کہ ہر فرقہ دوسرے کے ساتھ پُر امن ماحول میں دائرہ تہذیب کے اندر تبادلہ خیالات کر سکتا ہے لیکن

The second painting, No. 6 of the same plate, apparently represents



Jesus as a grown-up man, and bears the following description :—

"Painting on cloth of the head of Christ ; 2nd century. Church S. Bartolomeo Genoa."



The third painting, No. 4 of the plate, is a representation of Jesus in his old age. It definitely represents him as he was in his old age, probably over one hundred years The painting is described as follows :—

"Painting on cloth in the Sacristy of St. Peter's, Rome. The definitely ascertained history of his piece reaches back to 2nd century."

These paintings establish two facts. Fisrt, Jesus lived up to the age of 120 or thereabout. Second, the early Christians of the first three centuries believed that Jesus lived up to the ripe old age. of 120 on this very earth and that the so called ascent upto heaven in his 33rd year is not based on fact. In view of these two facts the doctrine of Crucifixion as well as Ascension falls to the ground. The fact is that Jesus, like other prophets, fulfilled his mission, conveyed the message of God till his old age and died a natural death.

Abulata Jullundari, Editor Alfurqan'
Ahmadnagar, Rabwah (Pakistan)

Regd. L. No. 5708

New Discovery about the Life of Jesus

Encyclopaedia Britannica proves that Jesus Lived upto the Ripe Old Age of about 120

THE present-day Christians believe that Jesus died on the Cross at the age of thirty three and then rose up from the dead 40 days later ascended up the Heaven. But this belief is altogether unfounded. Jesus was sent only to the lost sheep of Israel ; *i. e.* the ten tribes of Israel who were scattered far away in the eastern countries. Jesus himself says:

> "I was not sent, but unto the lost sheep of the house of Israel. (Matthew 15 : 24).

There are circumstances to show that Jesus did not die on the cross and that he travelled towards the different Eastern countries to convey the message of God to the Jews. Archæological evidence also bears it out. There are some ancient paintings of Jesus Christ which were held in great esteem and were regarded as hoby relics by the early Christian Churches. These paintings prove beyond doubt that the present Christian doctrine has no basis in fact. These paintings are given in the Encyclopædia Britannica Ed. XIV, Vol. XIII, plate No. 1 under the article 'Jesus Christ.'



Three of these paintings are given here. The first, No. 5 in the plate, represents Jesus as he was in his youth and bears the following subscription :—

"Head of Christ painted on Cypress wood; by tradition attributed to St Luke but probably 3rd centry, Vatican Library, Rome."